

سکین

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جون ایلیا



اُردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

۱۳

قلمبر خاں

”ذرا ٹھہرو.....!“

۱۵

۱ مقولہ عنکبوت

۱۶

۲ زمستان

۱۸

۳ فونیس

۲۸

۴ راتیں سچی ہیں، دن جھوٹے ہیں

۳۰

۵ سراغ

۳۱

۶ بے معنی

۳۲

۷ عجب بات ہے

۳۶

۸ فیصلہ

۳۷

۹ سرگرداں

۴۲

۱۰ اب ہمیں انقلاب چاہیے ہے

۴۵

۱۱ نوحہ

۴۸

۱۲ رشتہ آدم و حوا

۵۰

۱۳ ہائے جمال احسانی (مرثیہ)

۵۳

۱۴ فن پارہ

۵۵

۱۵ دوسرا خواب پہلے خواب کے شہر میں

- ۱۰۱ 22 ضبط کر کے ہنسی کو بھول گیا
- ۱۰۵ 23 یارو! نگہ یار کو یاروں سے گلہ ہے
- ۱۰۷ 24 ہر خراشِ نفس لکھے جاؤں
- ۱۰۹ 25 کچھ کہوں، کچھ سنوں، ذرا ٹھہرو
- ۱۱۱ 26 وقت درماں پذیر تھا ہی نہیں
- ۱۱۳ 27 دل کا دیا خواب میں، دُور تک گزر رہا
- ۱۱۵ 28 خونیں جگر اُس سینہ نگاراں پہ نظر ہو
- ۱۱۷ 29 وہ کہکشاں، وہ رہِ رقصِ رنگ ہی نہ رہی
- ۱۱۹ 30 ہو کے غلطاں خوں میں، کوئی شہسوار آیا تو کیا
- ۱۲۱ 31 ہر نفس بیچ و تاب ہے، تا حال
- ۱۲۳ 32 جورنج بھی مری جاں کو پہونچا
- ۱۲۵ 33 میرا میری ذات میں سودا ہوا
- ۱۲۷ 34 تم میرا دکھ بانٹ رہی ہو، میں دل میں شرمندہ ہوں
- ۱۲۹ 35 اُس گلی میں نہ جائیں گے ویسے
- ۱۳۱ 36 وہ کیا تغیرات کے سانچے میں ڈھل گئے
- ۱۳۲ 37 دید تھی انتظار کے مانند
- ۱۳۵ 38 کوچہ یار! تیری خاک، دولتِ روزگار ہے
- ۱۳۷ 39 دولت و ہر سب لٹائی ہے
- ۱۳۹ 40 فراق کیا ہے اگر یا دیار دل میں رہے
- ۱۴۱ 41 دل کو اک بات کہہ سنانی ہے { دو غزلہ
- ۱۴۳ 42 زندگی کیا ہے، اک کہانی ہے
- ۱۴۵ 43 شہر یہ دوسروں کا تھا، جس میں ہمیں سہا گیا
- ۱۴۷ 44 نگہت باد بہاری جا چکی

- 1 میں تو خدا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟
- 2 اے نفسِ آشفٹگاں! شہرِ بگلوں کا ہے
- 3 بجا ارشاد فرمایا گیا ہے
- 4 بول رہے جی اب سا جن جی کا، کھڑا ہے کس درپن کا
- 5 جب وہ ناز آفریں نظر آیا
- 6 رنگ ہے رنگ سے تجی اس کا شمار کیا بھلا
- 7 شرمندگی ہے ہم کو بہت ہم ملے تمہیں
- 8 نہ تو دل کا، نہ جاں کا دفتر ہے
- 9 مظلوم حسرتوں کے سہاروں کا ساتھ دو
- 10 جو حال خیر ہو دل کا وہ حال ہے بھی نہیں
- 11 آخری بار آہ کر لی ہے
- 12 سخن آتے ہیں اُس کے یاد بہت
- 13 دل کو دنیا کا ہے سفر درپیش
- 14 ہم جان و دل سے یار تھے، ہم کون تھے، ہم کون تھے
- 15 دل پریشاں ہے، کیا کیا جائے
- 16 ہم تھے نیاز مندِ شوق، شوق نے ہم کو کیا دیا
- 17 نہ پوچھ اُس کی جو اپنے اندر بچھا
- 18 بے یک نگاہِ شوق بھی اندازہ ہے، سو ہے
- 19 کیوں غم کریں جو شہر میں طوفانِ فتنہ ہے
- 20 ایک سایہ مرا سجا تھا
- 21 دل نے وحشت گلی گلی کر لی

۱۹۱	68	نہ ماہ و سال ہے تاحال
۱۹۴	69	بیار پڑوں تو پوچھو مت
۱۹۵	70	اک زخم بھی یارا نہ بھل نہیں آنے کا
۱۹۷	71	وحشت کو سوانہ کیجیو اب
۱۹۹	72	مجھ کو بیگانہ کر گئے مرے دن
۲۰۱	73	لمحے لمحے کی نارسائی ہے
۲۰۳	74	ناروا ہے سخن شکایت کا
۲۰۶	75	سلسلہ جنباں شام ہے کس کی، شکوہ کناں ہے کس کی شام
۲۰۷	76	گہے وصال تھا جس سے تو گاہِ فرقت تھی
۲۰۹	77	جانِ نگاہ و روح تنہا چلی گئی
۲۱۲	78	ہم شہید خیال بے چارے
۲۱۳	79	لمحے کو بے وفا سمجھ لیجیے
۲۱۵	80	جو طے ہوئے تھے کبھی کیفِ بخود کی لیے
۲۱۷	81	کوئے خواہش میں ختم بہ ختم ٹھہروں
۲۱۹	82	ہم نہ کرنے کے کام کرتے ہیں
۲۲۱	83	طعنوں کے دار اپنا اثر کر گئے ہیں کیا
۲۲۳	84	اے وصل! کچھ یہاں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا
۲۲۵	85	شبِ زدگان بہم دگر گریہ و گفتگو کرو
۲۲۷	86	خواب کی حالتوں کے ساتھ تیری حکایتوں میں ہیں
۲۲۹	87	رُوحِ تھا تجھ سے یعنی خود اپنی خوشی سے میں
۲۳۱	88	قافلے کا نہ انتظار کرو
۲۳۳	89	ہم محبت میں نجل بھی رہے نازاں بھی رہے
۲۳۵	90	ہے طرفہ قیامت جو ہم دیکھتے ہیں

۱۴۹	45	ابھی اک شور سا اٹھا ہے کہیں
۱۵۱	46	اُس کی ٹکلت رہ گئی نل کے
۱۵۳	47	دستِ تہی سے معرکہ حال سر کیا
۱۵۵	48	وہ کہاں جس کی شکل دیکھوں میں
۱۵۶	49	تم بھی جاناں کوئی نہیں ہو میں بھی کوئی نہیں
۱۵۷	50	نہ میرے لیے حسن میں اب کشش ہے نہ کچھ کیف ہے رندی و سرخوشی میں
۱۵۹	51	جب سے میں اپنے آپ میں آیا نیند گئی آرام گیا
۱۶۱	52	عرقِ مری بانہوں میں اُس نگار کو دیکھ
۱۶۳	53	پُر امید بیحال مت کچھ
۱۶۵	54	شکوہِ اول تو بے حساب کیا
۱۶۷	55	کبھی آؤ ناز نازاں سوئے بزم بے نیازاں
۱۶۹	56	بستیوں پر ہے کوہکن تھا
۱۷۰	57	جو بھی ہے یادگار ہے آخر شب ہے دوستاں
۱۷۱	58	تھے عجب دن ہماری حالت کے
۱۷۳	59	یاں ہیں سب اپنی اپنی حالت کے
۱۷۵	60	نہیں جذبے کسی بھی قیمت کے
۱۷۷	61	بزم سے جب رنگا ر اٹھتا ہے
۱۸۰	62	مت پوچھو کتنا ٹنگیں ہوں گنگا جی اور جمناجی
۱۸۱	63	تھی گزشت اُن کی عجیب ہی وہ جو جان سے تھے گزر گئے
۱۸۳	64	نہ دیر و زود نہ بود و نبود کا آشوب
۱۸۵	65	مسندِ غم پہ بیٹھ رہا ہوں میں
۱۸۷	66	لفظِ دیدارِ آخری بھی سہی
۱۸۹	67	جب نسیمِ سحری آتی ہے

91 نکلا کے وار ہوں یار ان سر ہی جاتے ہیں

92 باہر گزار دی، کبھی اندر بھی آئیں گے

93 رنگ باد صبا میں بھرتا ہے

94 ہوں میں یکسر راہِ گاہِ افسوس میں

95 سود ہے میرا زیاں افسوس میں { دو غزلہ

قصائد

اکادمی ادبیات پاکستان نے جون ایلیا کے تیسرے مجموعہ کلام ”گمان“ کو ۲۰۰۴ء کا بہترین شعری مجموعہ قرار دیتے ہوئے علامہ اقبال ایوارڈ سے نوازا ہے۔ اکادمی کے اس اعلان سے جہاں جون ایلیا کے لاتعداد چاہنے والوں کو مسرت ہوئی، وہاں اس انتخاب نے مجھے بھی اعتماد بخشا اور تحریک دی کہ میں جون ایلیا کا مزید کلام مرتب کر کے منظر عام پر لاؤں۔

میں یہاں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، جیسا کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جون ایلیا ایک انتہائی زود گو اور پُر گو شاعر تھے اور اُن کا کلام جا بے جا بکھرا ہوا ہے۔ میں اب تک وہ واحد شخص ہوں جو کہ شروع دن سے یہ کہتا رہا ہے کہ اُس کے پاس جون ایلیا کا سپرد کردہ خاصہ کلام موجود ہے جسے میں جون ایلیا کے اہل خانہ کی اجازت اور تعاون سے مجموعوں کی صورت میں شائع کر رہا ہوں تاکہ اس سوچی ہوئی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکوں لیکن چند احباب جو کہ جون ایلیا سے اپنے تعلقات و روابط کا ذکر اور محبت کا دم بھرتے نہیں تھکتے، اُن کے کلام کو مختلف ادبی رسائل میں شائع کر داکے نہ جانے جون ایلیا کی کوئی خدمت کر رہے ہیں۔ میری اُن احباب سے گزارش ہے کہ اُن کے اس اقدام سے جون ایلیا کے آنے والے مجموعوں کی ادبی فضا متاثر ہو رہی ہے، اگر مقصد کلام شائع کروانا ہی ہے تو اُن کے آنے والے مجموعوں میں شائع کرائیں۔ میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ اُس فراہم کردہ کلام کو میں اُن حضرات کے نام اور شکریہ کے ساتھ شائع کروں گا، اس طرح جون ایلیا کا کلام مزید بکھرنے سے بچ جائے گا۔

جون ایلیا اور اُن کے بھتیجے علامہ علی کرار نقوی صاحب کی محبت کا رشتہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اپنے بے شمار چاہنے والوں کے ہوتے ہوئے جون ایلیا نے اُن کے گھر قیام کو ترجیح



اردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT



اردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

میں پیارے جو موجود ہوں

صرف موجود ہوں

صرف موجود ہونے کی حالت میں ہونے کو جو حوصلہ چاہیے

وہ خدایاں خدا میں بھی شاید نہ ہو

عنکبوت رواق کہن کا مرے یہ مقولہ ہے:

ہے بھی نہیں

اور تھا بھی نہیں

دی، اُس کی وجہ بھی عیاں تھی، علامہ علی کرار نقوی صاحب اُن کا جس طرح خیال رکھتے تھے اور اُن کے انتہائی مشکل مزاج کو سمجھتے تھے یہ کسی اور شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔ اُن کا جو ایلیا سے محبت اور علم دوستی کا رشتہ ہنوز قائم و دائم ہے۔ انہوں نے اُن کے کلام کا کافی حصہ اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ اگلے آنے والے مجموعہ میں اُس کو بھی مرتب کر لیا جائے۔ یہ اُن کی جو ایلیا سے محبت کا دیرینہ ثبوت ہے۔ کاش، دوسرے احباب بھی علامہ علی کرار نقوی صاحب کے اس قابلِ تحسین اقدام کی پیروی کریں۔

میری کوشش ہے کہ جو ایلیا کے کلام کی کوئی بھی چیز جو کہ اشاعت کے قابل ہو، اُن کے مجموعوں میں شائع ہو کر محفوظ ہو جائے۔ اس سلسلے میں مجھے جو تک و دو کرنا پڑی اور مختلف کتب خانوں کی خاک چھاننا پڑی، میں اُس کی تفصیل غیر مناسب سمجھتا ہوں، لیکن، نسیم احمد، محمد نعمان (غالب لاہوری)، محمد زبیر، امان اللہ (بیدل لاہوری) اور دہلی میں مقیم جو ایلیا کے نیاز مند ارشد حسین (نظم ”زمستان“، مہیا کی) کو اپنے شکرے کا مستحق سمجھتا ہوں، جنہوں نے مختلف ادبی رسائل سے اہم مواد کی فراہمی میں بے حد تعاون کیا۔

محترم جناب قمر رضی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے میری کوششوں کو سراہا اور حوصلہ افزائی کی۔ محترم جناب ممتاز سعید (شمن بھائی) کا خصوصی شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کلام کو دیکھا اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ محترم جناب پروفیسر طہیر نفسی، سید سلیم ساجد کرن، آغا وسیم، محترم عمر زمان، زریون ایلیا اور تھیٹر کے ڈاکٹر ایں، این، ایم شہزاد کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنہوں نے اس مجموعہ کی تکمیل کے تمام مراحل میں حسبِ روایت بھرپور ساتھ دیا۔

رابطہ: jaun_elia@yahoo.com

ترے احساس اور انفاس کی سوزش کہاں اب کے
 ہے اک خورشیدِ بخ بستہ کا پرتو خاک پر غلطاں
 ہیں زندہ دھوپ کو ترسی ہوئی یہ بستیاں اب کے
 سیاہی کی لپک ہے اور ہیں آتش کدے اپنے
 کہاں پائیں فروغِ چشم جاں زردشتیاں اب کے
 در و دیوارِ بخ ہیں اور ہوائیں زمہری ہیں
 لبِ شکوا گھلے بھی تو صدائیں زمہری ہیں
 دلوں کی فصلِ برفانی ہے اور شیوے زمستانی
 وفائیں زمہری ہیں، 'جفائیں زمہری ہیں
 کسے کس سے گلہ ہو اور گلے کا کیا صلہ ٹھہرے
 سماعتِ بخ زدہ ہے، التجائیں زمہری ہیں
 کیا خونِ جگر کا خوش گمانی میں زیاں ہم نے
 شفق کے رنگ لکھے داستاں در داستاں ہم نے
 فضا کہ ایسی برفانی کہ سانسِ نجم کے رہ جائیں
 نہ کی ہوتی یہاں سینے کی گرمی رایگاں ہم نے
 نفس ٹھہرے ہوئے ہیں شعلہ ہائے لب کے موسم میں
 مجھے سردی زیادہ ہی لگے گی اب کے موسم میں



نہیں شوریدگانِ شہر میں وہ سوزِ جاں اب کے
 ہیں شامیں سوختہ جانوں کی بے شورِ فغاں اب کے
 ہیں شوقِ گرمی آغوش کے جذبے زمستانی
 شبِ اندر شب ہو جیسے برفباری کا سماں اب کے
 کوئی لہجہ یہاں شعلے پہن کے اب نہیں آتا
 نہیں سایہ فگن محفل پہ سانسوں کا دھواں اب کے
 سرود و ساز ہیں سرما فروشِ حلقہٴ یاراں
 دلوں میں زمہری کچپی ہے پُرفشاں اب کے
 ستم ہے رشتہ ہائے آشتی کی پاسداری ہے
 مرے یارو! تمہارے اور خدا کے درمیاں اب کے
 لباسِ آتشِ انکارِ ابلیسی جلا ڈالا
 یقیں کے ستر پوشانِ گماں نے بے گماں اب کے
 ہوئی گم اے گروہِ دل تپاں، آتشِ بجاں آخر



اردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

○

میرے جد سے نصیر سخن شاعرِ تخرن

میر شایانِ امر و ہوی سے روایت ہے

جو مجھ تک اپنے باباے درویش افتاد

علامہ ایلیا سے بہ تفصیل پہنچی ہے

یہ ہے کہ غفراں ماب اور مغفور کی آل سے

اور ار بابِ علم ”فرنگی محل“ سے اُسے

وہ عقیدت تھی جس کی مثالیں اگر ہیں تو وہ

شاذ ہیں

بعض ہیں

○

غدر کے بعد کا ذکر ہے جب وہ دلی سے

نالہ کنناں پر زناں شہرِ امر وہ آیا تو

نقشے میں تھا

آپ میں گم شدہ

فونیس

آلِ قنفس میں فونیس کا کوئی ثانی نہ تھا

اور الحق کہ یہ قولِ حق ہے جو ہے

امرِ تاریخ و انساب جو ہے وہ ہے

ہشت صد سال تک اس نے دلی میں

لاہور میں اور ازاں بعد طرس و بخارا میں

طرطوس میں اور حلب میں علوم و فنونِ قدیمہ

کے فاضل ترین اہلِ دانش کی صحبت سے

دانشِ فزا استفادہ کیا تھا

وہ طائرِ عجب دانشِ افروز تھا

بینش آموز تھا

اپنی صدی ہا صدی کی ہزیمت میں جیتے ہیں
ہم کیا کریں، واے ہو ہم پہ ہم کیا کریں
اپنے صیدا واسطہ سے
پنجاب زراں بعد دو آبہ آنے پہ گریہ کریں؟



اندریں حال فونیس دھت ہو چکا تھا وہ
بغداد کا مرثیہ شیخ سعدی کا
زائیدہ خامہ خوں چکاں مرثیہ *
بے سرو پا و بے وزن لہجے کی لکنت میں
رُک رُک کے تکرار کے ساتھ پڑھتا تھا
اور بھول جاتا تھا
پھر کیا ہوا وہ بیک بار چوڑکا
پرافشاں ہوا اور تب بعد آداب و تسلیم
پڑگریہ پُرنشہ لہجے میں یہ عرض کی:

* آسماں راہ حق بود گر خوں بہ بار در بر زمیں
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت سر بروں آری ز خاک
سر بروں آرد قیامت در میان خلق میں
(سعدی)



ایک دن میر شایاں کے ”قبلہ میاں باوا صاحب“
امیر الحسینی
امیر خن

صحن بالاسے جب صحن زیریں میں اترے تو وہ
ناگہاں رُک گئے اور وہ یوں کہ شہوت کی
شاخ پر خاندانِ فرہ مند فُتفس کا فرزند
فونیس مخمور بیٹھا ہوا رو رہا تھا
انہوں نے اسے اور اس نے انہیں
جوں ہی دیکھا تو سمجھو پلک بھر میں اک
مجلسِ زخم ہا زخم گریاں پیا ہو گئی
ایک سوزندہ تر حالتِ غم دو تا ہو گئی



آلِ فُتفس کے فرزند فونیس تم بے طرح
مست و مخمور ہو لیکن اب جو بھی کچھ ہے
وہ یک سر در دست و بجا ہے
کہ ہم سب بھی اب خون کے گھونٹ پیتے ہیں

آپ کی نسبتِ عالیہ کے سبب
مجھ پہ گزری ہے میں آلِ قنفس کا ہندی نژاد
ایک طائرِ فرومایہ طائرِ بھلا کیا کہوں
میں یہ کیسے چھپاؤں کہ اب میں بلا نوش ہوں
خود کشی کوش ہوں



مجھ کو دلی میں بارود کی ریگ آمیز
بارود کی بوے غدار نے
زہر پلویا ہے، خون رلویا ہے
وائے وہ ساعتِ حشر جب کالے خاں
گولا اندازِ ساکت تھا سکتے میں تھا
میں جہت ہا جہت سوختہ
داغ ہا داغ ہاے دل اندوختہ
خون کے گھونٹ پیتا رہا اور جیتا رہا
بخت خاں کے سہارے پہ جیتا رہا
اور پورب کے پُر دل جوانوں کی سَر زن
شہابی شہامت کا اک آسرا تھا

سیڈی! مجھ پہ لعنت ہو
اور آلِ قنفس کے ایک اک نفر پر
فرشتوں کی اور انس و جن کی
شب و روز لعنت ہو!
میں آج اس حال میں آپ کے رُو برو ہوں
مگر کیا کروں، حیف صد حیف، میں کیا کروں
سیڈی! آپ سرکارِ کونین کی آل ہیں
آپ نفسِ رسالت جنابِ امیر
اور خاتونِ جنت کی عترت ہیں
ہم تو سبھی آپ کے خانوادے کے بندے ہیں
پاپوش بوسوں میں ہیں
حضرتِ قنبر پاک ذات
اور مخدومہِ فطہ کی سوگند
اس دوزخی، اس سیہ کار نے
اس مبینے سے پہلے
چکھی تک نہ تھی
سیڈی! اُس قیامت کے بارے میں جو آپ پر

وہ کچھ کہا

جو کم از کم شریفوں کو زیبا نہیں

شخص مذکور دُزدِ دلاور ہے

طرزِ شگفتِ آوِ طرزِ بیدل کا

یاسیدی! کیا یہ بندے کی بکو اس ہے؟

اُس نے اُردو سے اس کی پھین چھین لی

ہائے! اپنے خدائے سخن میر طابِ ثراہ

وہ اس قرن کے فیلسوفِ گراں مایہ تر

عالمِ عالماں حضرتِ فضلِ حق

کے جہدِ لسان و عمل کی شب و روز

تضحیک کرتا رہا

کتنا نیچے اترتا رہا

آدمی میں وفاداری دین و دنیا تو ہو

رات سوئے تو سستی تھے جاگے تو شیعہ تھے

استغفر اللہ

دعوا بہ تکرار دعوا ہے دعوا

میں بندہ علی کا ہوں منصور ہوں

کہ میں شورِ بیجا پہ پرواز کرتا ہوا

سوے اُمیدِ تاریکِ آئندہ بڑھتا رہا

جو شنینِ صغیر و کبیر

اپنے باطن میں پڑھتا رہا

○

آپ شاعر ہیں اور اس غلامِ کمینہ کو اس وقت

محضر میں سرکار کے ایک فریاد

کرنا ہے جو دل کی فریاد ہے

جاں کی فریاد ہے

نسلِ ہانسل کے

داغِ ہادارِ سوزاں کی فریاد ہے

ان دنوں ایک شاعر نے دلی کے شاعر نے ----

میں تو اُسے اب شویعر کہوں گا

جو ایک ہے جرگے سے اتراک کے

ایسے جرگے سے جو ایک دو نسل پہلے ہی اس

سرزمینِ فلکِ رفعتِ ہند میں

آ کے ٹھہرا تھا ----

اُس گروہِ حقیقت رسِ سرائیماں کا
 جو نورِ ذاتِ علی کو خدا مانتا ہے
 یہ کس طور کی بندگی ہے؟
 یہ بوجہل کی بندگی ہے کہ انسان
 اپنے مربی کی روزی رساں کی
 نگوہش کرے
 ”شاعرِ بے بدل“ روز و شب
 پیرومرشد کی بدگوئی کرتا رہا

○

مجھ کو کہنا تھا کچھ اور میں اپنی حالت میں
 کچھ اور ہی کہہ گیا
 سیدی! بختِ خاں پیرومرشد کی خدمت سے جب
 ایک خوں گشتہ پیکر کی صورتِ نگوں سر
 ہمیشہ خوشی ازل ہا ابد ہا کی
 پسائی کی جاں گزاسوگ وارانہ حالت میں
 اپنے فرس پر
 حصارِ مزارِ ہمایوں سے رخصت ہوا ہے
 تو میں بھی بلندی پہ

نالہ کنناں پر زناں تھا
 مرے حال پر قویل ہو قیل ہو سیدی!
 میں نے اور اُس نے دلی کو اک ساتھ چھوڑا
 وہ اک حال تھا جانے کیا حال تھا
 جو گزرتا نہیں سیدی
 جو گزرتا نہیں

○

میں جواب ایک رسوا کن آلِ تنفس ہوں
 بائیس خواجہ کی چوکھٹ کا اپنے پروبال سے
 ایک جاڑوب کش، اک مجاور رہا ہوں
 مگر اب میں روزانہ پیتا ہوں روزانہ
 اپنے تنفس کی بخشش سے زہرِ ہلاہل
 کی نعمت پہ جیتا ہوں
 اور اب مری زندگی کا ہزارہ تمامی پہ ہے
 والسلام علی من یحب الصناء
 والسلام علی من یرید الوفاء
 وہ روایت جو بابائے علام سے مجھ تک آئی ہے
 اس کا یہ اتمام ہے

راتیں سچی ہیں، دن جھوٹے ہیں

چاہے تم میری بینائی گھرچ ڈالو، میں پھر بھی اپنے خواب نہیں چھوڑوں گا
 ان کی لذت اور اذیت سے میں اپنا کوئی عہد نہیں توڑوں گا
 تیز نظر نابیناؤں کی آبادی میں
 کیا میں اپنے دھیان کی یہ پونجی بھی گنوا دوں
 ہاں میرے خوابوں کو تمہاری صبحوں کی سرد اور سایہ گون تعبیروں سے نفرت ہے
 ان صبحوں نے شام کے ہاتھوں اب تک جتنے سورج بیچے
 وہ سب اک برفانی بھاپ کی چمکیلی اور چکر کھاتی گولائی تھے
 سو میرے خوابوں کی راتیں، جلتی اور دہکتی راتیں
 ایسی بخ بستہ تعبیروں کے ہر دن سے اچھی ہیں اور سچی بھی ہیں
 جس میں دُھندلا چکر کھاتا چمکیلا پن چھ اطراف کا روگ بنا ہے
 میرے اندھیرے بھی سچے ہیں
 اور تمہارے ”روگ اُجالے“ بھی جھوٹے ہیں

راتیں سچی ہیں، دن جھوٹے
 جب تک دن جھوٹے ہیں، جب تک
 راتیں سہنا اور اپنے خوابوں میں رہنا
 خوابوں کو بہکانے والے دن کے اُجالوں سے اچھا ہے
 ہاں میں بہکاؤں کی دُھند نہیں اور ڈھوں گا
 چاہے تم میری بینائی گھرچ ڈالو، میں پھر بھی اپنے خواب نہیں چھوڑوں گا
 اپنا عہد نہیں توڑوں گا
 یہی تو بس، میرا سب کچھ ہے
 ماہ و سال کے غارت گر سے میری ٹھنی ہے
 میری جان پر آن بنی ہے
 چاہے کچھ ہو، میرے آخری سانس تلک اب چاہے کچھ ہو

بے معنی

ہے مری ذات اک زیاں کی دکان
مجھ کو اپنا حساب کیا معلوم
جب مجھے بھی نہیں کوئی احساس
تم کو میرا عذاب کیا معلوم

ہر کسی سے بچھڑ گیا ہوں میں
کون دل میں مرا ملاں رکھے
شہر ہستی کا اجنبی ہوں میں
کون آخر مرا خیال رکھے

سراغ

خزاں نے شام گزاری ہے، میرے منظر میں
مرے تمام پرندے، تمام ہرکارے
مرے گمان کی سمتوں سے لوٹ آئے ہیں
مرے خیال، مرے خواب کے دیاروں کا
ہوائے سبز کے نمناک مرغزاروں کا
سراغ آج کی سمتوں میں بھی کہیں نہ ملا
خزاں نے شام گزاری ہے، میرے منظر میں
شب سیاہ اُترتی ہے، میرے پیکر میں

روز و شب اب یونہی گزرتے ہیں
کوئی قصہ ہو جان و جاناں کا
کرب بے ماجرائی سہتا ہوں
کچھ تو ہو ماجرا دل و جاں کا

ہر نفس ہے کسی مفر کی تلاش
مجھ کو اپنے حصار میں لے لو
میرا اب خود پہ اختیار نہیں
تم مجھے اختیار میں لے لو

میرے اندر بھی دل کے درواہوں
یعنی میرے بھی کوئی معنی ہوں

رایگانی ہے زندگی میری
میں تو خود میں بھی رایگاں ہی گیا
بے گمانی سی بے گمانی ہے
مجھ سے تو خود مرا گماں ہی گیا

کوئی بھی مجھ کو آسرا نہ ملا
میں بھٹکتا رہا ہوں شہروں میں
زندگی تشنگی کا دریا ہے
ہے فقط گرد دل کی لہروں میں

وصل کے سلسلے تو کیا اب تو
ہجر کے سلسلے ہیں بے معنی
کوئی رشتہ ہی جب کسی سے نہیں
دل کے سارے گلے ہیں بے معنی



مگر کیوں، بھلا آج کیا ماجرا پیش آیا ہے
 یعنی کمون و بروز وجود و عدم میں بھلا آج کیا ماجرا پیش آیا ہے
 کیا ماجرا پیش آیا ہے؟
 یہ ماجرا پیش آیا ہے پُر ماجرا ماجرا
 یعنی کل کی طرح آج بھی
 آفتاب اپنے وقت مقرر پہ نکلا
 عجب بات ہے یا نہیں؟
 اور پھر جو ہوا وہ تو حیران کن تر تھا
 یعنی وہ کل کی طرح آج بھی
 اپنے وقت مقرر پہ ڈوبا
 عجب بات ہے یا نہیں؟
 ہاں عجب بات ہے
 یہ تو سچ مچ بہت ہی عجب بات ہے

عجب بات ہے

کچھ سنا؟ آج بھی اک عجب ماجرا پیش آیا
 عجب ماجرا! یعنی کیا یعنی کیا؟
 آج غیلان، غزال، علاؤ، کندی، ابونصر، بوکر رازی و فرزند سینا و ایران شہری
 ہمیشہ کے معنیٰ خاک کردہ
 شوریدہ سر ہیں سر آشفتمند ہیں
 اور ایران شہری سا جنجال تو
 آج بے طور و بے حال و پُر غوغا ہے
 وہ سرشب سے پیہم پیہم جا رہا ہے

سرگرداں

(یوحنا کے نام)

میری محروم روح نے اب تک
 نسل ہا نسل کا عذاب سہا
 تھی وہ اک جانکئی کی تنہائی
 جس میں صدیاں گزار دیں میں نے
 جانکئی جس کا خار دار لباس
 میری فطرت کی جامہ زیبی نے
 بے پس و پیش اختیار کیا
 اور پھر یوں پہن لیا جیسے

فیصلہ

چار سو مہرباں ہے چوراہہ
 اجنبی شہر اجنبی بازار
 میری تحویل میں ہیں سمتیں چار
 کوئی رستہ کہیں تو جاتا ہے
 چار سو مہرباں ہے چوراہہ

اجنبی انتظار کی صدیاں
 نامیدہ بہار کی صدیاں
 تُو نے جن کی مشقتیں سہہ کر
 بھری دنیا میں اجنبی رہ کر
 اُن نگاہوں کا انتظار کیا
 جن کو اک بار بھی نہ دیکھا تھا
 جن میں تیری خود آگہی کے لیے
 اک تبسم تھا اور تبسم میں
 وقت کا رمز اشک افشاں تھا

○

وہ نگاہیں ترے درتچے کے
 رُو برو تجھ سے ملنے آئی ہیں
 اُن میں تیری خود آگہی کے لیے
 اک تبسم ہے اور تبسم میں
 وقت کا رمز اشک افشاں ہے
 اس تبسم کا سرِ بولقموں
 وقت کے دیر گرد چرواہے

یہ مرا جسم ہے لباس نہیں

○

تیرے غم نے پہن لیا ہے مجھے
 اور میں تیرے پاس آیا ہوں
 تُو نے مجھ کو پہچانا.....؟
 میں ہوں اس زندگی کا افسانہ
 جو یہاں زخم کھانے آئی تھی
 جس کی شہ رگ کو خون اُگلنا تھا
 جس کی پوشاک پوسٹینِ خشن
 کم بہا تر تھی اُن نیا موں سے
 جو زیان و ضرر اُگلتی ہیں
 آدمی اور زندگی کے لیے
 زندگی جو فقط محبت تھی
 اور انہوں نے اسے نہ پہچانا

○

تُو نے مجھ کو پہچانا
 تیری صدیوں نے مجھ کو ڈھونڈا ہے

میرے جانے کے بعد موج صبا
اور تجھ کو اُداس کر دے گی
ان درپچوں کو بند کر لینا
آہ! بے رحم وقت کی دیمک
ان درپچوں کو چاٹ جائے گی
میری محروم روح نے

شورہ بوموں سے سبزہ زاروں تک
سوچتے اور گاتے رہتے ہیں
اور اپنے میں بہہ رہا ہے وقت
وقت کا جبر سہہ رہا ہے وقت
آج جی بھر کے دیکھ لے مجھ کو
وقت سے ہیں بہت گلے تجھ کو
وقت تیری غریب تنہائی
وقت خوابوں کی آبلہ پائی
خواب، تُو جن کو پا نہیں سکتی
خواب، جو تجھ کو پا نہیں سکتے
پر میں آنسو نہیں بہاؤں گا
سوچتا ہوں کہ یوں ترے دل میں
غم کا احساس بڑھ نہ جائے کہیں
غم سے بڑھتا ہے وقت کا احساس



خواب تجھ سے وداع ہوتے ہیں
ان درپچوں کو بند کر لینا

چشمِ بدور دلی و لاہور
 مادرِ وقت کی کمائی تو ہیں
 یعنی آخر کو دونوں بھائی تو ہیں
 کس قدر بد نصیب ہیں دونوں
 کہ نہایت غریب ہیں دونوں
 یاں صلہ کچھ نہیں ہے محنت کا
 چاہیے کچھ علاج غربت کا
 خود ہی ہم ان میں کام آتے ہیں
 سامراجی ہمیں لڑاتے ہیں
 چاہیے موسیقی کا زیر و بم
 کیسا ایٹم بھلا کہاں کا بم
 فتنہ پرور ہیں ہاتف اور اگنی
 دل کو یہ بات ہے بُری لگنی
 کون کہتا ہے یہ سویرا ہے
 دل کے گھر میں بڑا اندھیرا ہے
 سو میں نوے میاں جو بستے ہیں
 ایک نوالے کو وہ ترستے ہیں

اب ہمیں انقلاب چاہیے ہے

پاک و ہندوستان کے فنکارو
 عقل و دیوانگی کے دلدارو
 بن تمہارے ہے شوق کا رَمنا
 تم سے ہے آبِ جہلم و جمنّا
 ہم جو ہیں کس قدر ہیں مالا مال
 اے خوشا کالیداس اور اقبال
 دل میں مست اور جاں میں مست رہیں
 دونوں اپنے گماں میں مست ہیں
 ہے عجب ان کا اپنا اپنا طور

نوحہ

سبک بالانِ شامِ لا جو رو دیں سوے پہناے شمالِ فرو فرخندہ
 شمالِ تیرہ سبزِ فرو فرخندہ
 پرشِ آغاز کرتے ہیں
 نوا گر بے نوائی کو
 گماں پرداز کرتے ہیں
 گزشتِ وقت کو دم ساز کرتے ہیں



گماں کے صحن کی منظر فزائی کا ”ہمیشہ“ طور پر ور ہے
 نوازش گر تمنا سے زمان و ذات کا رشتہ
 عطش انگیز رشتہ
 آزمائش خیز رشتہ
 جوے جاں بخشِ گمان پر گمانی میں ثنا گر ہے

چارہ گر ہیں جو عیش کرتے ہیں
 اور اُن کے مریض مرتے ہیں
 ہیں جو لڑکے کتاب کو تکتے
 کبھی اسکول جا نہیں سکتے
 ہیں سوال اور جواب چاہیے ہے
 اب ہمیں انقلاب چاہیے ہے

”دریغا! اُن کے لب کی شعلہ گفتاری کا حاصل ان کی خاکستر تھی
خاکستروہ خاکستر نہ جانے کس کی بالش، کس کا بستر تھی“

○

شمال تیرہ سبزِ فرّ و فرخندہ کی رمز آ گیس رواں افروزی جاوید
جس کو ایک پُر غوغا جنایت کے سخن دانوں نے
خوں میں غرق کر ڈالا

دل و جاں میں بلا کا فرق کر ڈالا
شناگر ہے ابھی تک روئے رو وِ خوں شناگر ہے
مگر اب جو بھی ہے وہ اُس کے دُنبال رواں تک نارساتر ہے
ایا خوناہ! واویلا!

ایا خوناہ! واویلا!
سبک بالانِ شام لا جور دیں سوئے پہنائے شمالِ فرّ و فرخندہ
پَرش آ غاز کرتے ہیں

○

سر و وقت کے برباد رفتہ ”جاوداں تر“ کی روانِ جاودانی
پائے کوئی دست افشانی
کبھی کے ماجرا انگیزِ حالِ حالت احوالی میں زندہ ہے
جسے تقویم نے گم کر دیا ہے
اور گرداگردِ نسبت داری تاریخ کی بُودش کو گم مضم کر دیا ہے

○

دُرِ نشاطِ یاد کے دُرِ باز ہوتے ہیں
خُموشی کے نفس آواز ہوتے ہیں
نوائے بے نوائے و جدا انگیزِ رواں افروز
نزد و دورِ سبزہ زارِ جان و چشمہ سارِ جذبہ دل میں
سماعت پروری کا خیمہ موجود مستی نصب کرتی ہے

○

نوازش گر شمال تیرہ سبزِ فرّ و فرخندہ بہت افسردہ ہے پُر شکوا ہے
اُن سے ”ہمیشہ“ میں جو کچھڑے ہیں
کوئی آوازہ خواں جب سوزشِ لب کو ہنرِ آمادہ کرتا ہے
تو اک نوحہ پیائے گریہ کرتا ہے

آب زم زم سے کرو پڑ نہ جوانی کا ایاغ
 تم نے لکھا ہے کہ پاکیزہ محبت ہے مجھے
 شمع کعبہ سے جلاؤ نہ مری شب کا چراغ
 تم اگر بھائی سمجھتی ہو تو یہ بھی لکھو
 بھائی کے خط کو بھی چھپ چھپ کے پڑھا کرتے ہیں؟
 تم اگر بھائی سمجھتی ہو تو یہ بھی بتلاؤ
 بھائی کا نام بھی شرما کے لیا کرتے ہیں؟
 میں نے سمجھا تھا مے نابِ تحیل تم کو
 اب یہ تقدیسِ تحیل تو بڑی مشکل ہے
 آؤ میں تم کو بتاؤں کہ محبت کیا ہے
 حسرتِ لرزشِ بے جا کا مکمل احساس
 مرد و عورت میں مری خور ترے سر کی قسم
 رشتہ آدم و حوا کے ہوا کچھ بھی نہیں

رشتہ آدم و حوا

میری معصوم فروزی ' مری معبودہ جاں
 مل گیا ہے مجھے مکتوبِ محبت کا جواب
 اُس کے اندازِ نگارش سے پریشاں ہوں میں
 وحشت افزا ہے مرے واسطے اسلوبِ خطاب
 دیکھنا تھے مجھے شرمائے ہوئے کچھ جملے
 مجھ کو احادیث و روایات نہیں سننا تھیں
 دیکھنا تھا مجھے اک جذبہِ کامل تم میں
 مجھ کو قرآن کی آیات نہیں پڑھنا تھیں
 تم نے لکھا ہے کہ تم بھائی سمجھتی ہو مجھے

نہیں آتا سمجھ میں کیا کیجیے
 جاں فزا صبح و شام کی یادو
 تم نہ دل کو مرے سہارا دو
 اے مرے داغ ہائے دل مجھ کو
 اپنی سوزش سے اور ایذا دو
 آج کا دن نہیں شراب کا دن
 آج تو مجھ کو زہر پلوا دو
 یہ جنازہ جمالِ فن کا ہے
 اہل فن اس کو بڑھ کے کاندھا دو
 اس کو کرنا ہے اک غزل تحریر
 قبر میں روشنی تو پہنچا دو
 کیسا نقصان ہو گیا اپنا
 شہر سنسان ہو گیا اپنا
 زندگی کیا ہے صرف ایک ٹھٹھول
 اس کو میزانِ فکر میں مت تول
 موت ہے اور ہوس خرید کی ہے
 اور کچھ بھی نہیں یہاں انمول

ہائے جمال احسانی

تُو نے یہ کیا کیا جمالِ آخر
 اس میں تھا کون سا کمالِ آخر
 تجھ کو یہ کیسی نیند آئی ہے
 یہ تو ہم سب سے بے وفائی ہے
 آج ہے شاعری اُداس بہت
 حُسنِ فن نے شکست کھائی ہے
 دل نے دھڑکن کا ساتھ چھوڑا ہے
 شمع نے روشنی گنوائی ہے
 کس سے اُس شخص کا گلہ کیجیے

ہے اگر سوچنا تو کچھ مت سوچ
ہے اگر بولنا تو کچھ مت بول
لمحہ لمحہ پڑھا کرے انسان
نوحۃ کُلِّ مَنْ عَلَیْهَا فَاِنْ

فن پارہ

یہ کتابوں کی صف بہ صف چلدیں
کاغذوں کا فضول استعمال
روشنائی کا شاندار اسراف
سیدھے سیدھے سے کچھ سیہ دھتے
جن کی توجیہ آج تک نہ ہوئی

○

چند خوش ذوق کم نصیبوں نے
بسر اوقات کے لیے شاید
یہ لکیریں بکھیر ڈالی ہیں

دوسرا خواب پہلے خواب کے شہر میں

کہا جائے گا تم سے یہ وہ شہرِ رنگ ہے جس میں
ہمارے شاعرِ حرماں نصیبِ جاں
ہمارے ہنصدِ امروز و فردا کے نوا خواں نے
تمہارے شاعرِ روزی طلب، فن کے فسوں گر پیشہ پیاں نے
ازل میں اپنی ذاتِ رمز پرور کے ازل میں
اپنا خواب ماجرا انگیز یا قوت و زمر د فام دیکھا تھا
عجب اک خواب یا قوت و زمر د فام پر الہام دیکھا تھا

کتنی ہی بے قصور نسلوں نے
ان کو پڑھنے کے جرم میں تا عمر
لے کے کشکولِ علم و حکمت و فن
کو بہ کو جاں کی بھیک مانگی ہے

○

آہ! یہ وقت کا عذابِ الیم
وقت، خلاق، بے شعور، قدیم
ساری تعریفیں اُن اندھیروں کی
جن میں پر تو نہ کوئی پر چھائی
آہ! یہ زندگی کی تنہائی
سوچنا اور سوچتے رہنا
چند محصوم پاگلوں کی سزا

آج میں نے بھی سوچ رکھا ہے
وقت سے انتقام لینے کو
یونہی تا شام سادے کاغذ پر
ٹیز ہے ٹیز ہے خطوط کھینچے جائیں



درتے تھے وہ درتے تھے جن سے اُس شاعر کے
 خوابِ اولیس کا جادواں ہنگامِ رشتہ تھا
 انہیں اب اپنی بینائی گنوائے اک زمانہ ہو چکا ہے
 اک زمانہ
 ایک بیگانہ زمانہ
 اور اس کا ایک آزرده فسانہ

اور اب تم اُس فسانے کی تمامی بن کے آئی ہو
 تم اس صد حال ہنگامہ زمانے کی تمامی بن کے آئی ہو
 یہاں سے جا کے اس غربت زدہ شاعر کو اپنے شہر میں ناشادمت کرنا
 اسے بربادمت کرنا



تم اُس شاعر کے خوابِ اولیس کے شہر میں آئی ہو
 خوابِ اولیس جس کا دل و جاں نازنیں پیکر
 سراپا ایک محشر ماجرا تھا
 اور شاعر اپنے شہرِ جادواں کے سارے خوابوں کی
 فضا میں نغمہ خوان و پُر نوا رہتا تھا
 اُس کی نغمہ خوانی پُر نوائی
 شہر کو پُر حال رکھتی تھی



یہاں کے صحن و دالانِ شبانہ آج بھی شاعر کے خوابِ اولیس نازنیں
 کی حال آگئیں حالتوں کو طرح کرتے ہیں
 اب اُس شاعر کی یادیں رہ گئی ہیں داستانیں رہ گئی ہیں
 جانے والے خود چلے جاتے ہیں
 اور اپنی داستانیں اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں



لیکن.....

میں تو خدا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟
ہر لمحہ ”لا“ کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

مجھ کو بقائے عیش تو ہم نہیں قبول
میں تو ”فنا“ کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

میں ہوں بھی یا نہیں ہوں، عجب ہے مرا عذاب
ہر لمحہ ”یا“ کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

میں ہوں غبارِ جادۂ مُود و نُبود کا
یعنی ہوا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

ہمیں شکست ہوئی ہے، یہ ہم بھی جانتے ہیں
ہم آج سو نہ سکیں گے، یہ تم بھی جانتے ہو
مگر یہ بات کہ یہ شام آخری تو نہ تھی
یہ بات ہم ہی نہیں، دوسرے بھی مانتے ہیں

تم بھی تو آج مجھ سے کرو کچھ سخن کہ میں
نفی انا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

موسم مرا کوئی بھی نہیں اس زمین میں
آب و ہوا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟



اے نفس آشفٹگاں! شہر بگولوں کا ہے
رہو بہم خود میں یہاں، شہر بگولوں کا ہے

دھول ہے ساری زمیں، دھند ہے سب آسماں
شکل کی صورت کہاں؟ شہر بگولوں کا ہے

گرد کی شکلیں سی دو ہونے کو ہیں ہمکنار
بچ میں ہیں آندھیاں، شہر بگولوں کا ہے

گرد ہیں تعمیر کی ساری فلک بوسیاں
گرد میں ہو کا مکاں، شہر بگولوں کا ہے

ہیں اسی دم روبرو، پھر نہ کوئی میں نہ تو
اُس پہ یہ وعدے بھی جاں؟ شہر بگولوں کا ہے

اب سے ہے جواب تلک، سود میں ہے وہ پلک
کس کا زیاں، کیا زیاں، شہر بگولوں کا ہے

ایک نفس ہی سہی، اس کی ہوس ہی سہی
رشتہ ہو اک درمیاں، شہر بگولوں کا ہے

دُھند ہے بکھراؤ ہے، دُھول ہے اندھیاؤ ہے
خود سے لگا چل میاں، شہر بگولوں کا ہے

ہائیں یہ آشفگی، پائے نہ جاؤ گے پھر
شہر یہ آشفگیاں، شہر بگولوں کا ہے

وہم گماں کا گماں، عیشِ یقیں ہے یہاں
یہ بھی گماں ہے گماں، شہر بگولوں کا ہے



بجا ارشاد فرمایا گیا ہے
کہ مجھ کو یاد فرمایا گیا ہے

عنایت کی ہیں ناممکن اُمیدیں
کرم ایجاد فرمایا گیا ہے

ہیں اب ہم اور زد ہے حادثوں کی
ہمیں آزاد فرمایا گیا ہے

ذرا اُس کی پُر احوالی تو دیکھیں
جسے برباد فرمایا گیا ہے



بول رے جی اب سا جن جی کا، مکھڑا ہے کس درپن کا
میں جو ٹوٹا، میں جو بکھرا، میں تھا درپن سا جن کا

جب تجھ سے ناتا ٹوٹا تو پھر اپنے سے کیا ناتا
پر اب بھی تو اک ناتا ہے، وہ ناتا ہے اُن بن کا

میرا دل ہے ساگر ایسا، تم ندیوں کے مان میں ہو
میں بھی اپنی گنگا کا ہوں، میں بھی اپنی کانگن کا

مجھ کو میرے سارے کھلونے لاکے دو میں کیا جانوں
کیسی جوانی، کس کی جوانی، میں ہوں اپنے بچپن کا

بچ میں آنے والے تو بس دن کارن ہلکان ہوئے
سید جی تھا سارا کھیل، تمہارا اور برہمن کا

نسیم سبزی تھے ہم سو ہم کو
غبار اُفتاد فرمایا گیا ہے

مبارک فال نیک اے خسرو شہر!
مجھے فرہاد فرمایا گیا ہے

سند بخشی ہے عشق بے غرض کی
بہت ہی شاد فرمایا گیا ہے

سلیقے کو لبِ فریاد تیرے
ادا کی داد فرمایا گیا ہے

کہاں ہم اور کہاں حسنِ سر بام
ہمیں بنیاد فرمایا گیا ہے

جو بھی ہو گا اُس نے کوئی دامن تھام رکھا ہو گا
جانے میرا ہاتھ ہے یارو، کس دلبر کے دامن کا

اس جوگن کے روپ ہزاروں اُن میں سے ایک روپ ہے تُو
جب سے میں نے جوگ لیا ہے جوگی ہوں اُس جوگن کا

چلمن پیچھے اک چلمن ہے آنکھوں سے آکاش تک
جو تیری دیکھن میں آیا تھا وہ جھلکا چلمن کا

کیا بتلاؤ اس سے لڑنے بھرنے میں جو لیا تھی
لڑنا تھا اس من موہن سے میرا کھیل لڑکپن کا

تُو جو درتے سے آتی ہے کیوں میں تجھ کو آنے دوں
کوئی بگولا لائی ہے کیا تُو، بادِ صبا اُس آنگن کا

جون بڑا ہرجائی نکلا، پر وہ تو بیراگی تھا
ایک ریلی، ایک انیلی، الیلی امروہن * کا



جب وہ ناز آفریں نظر آیا
سارا گھر احمیں نظر آیا

میں نے جب بھی نگاہ کی تو مجھے
اپنا گلِ شبنمی نظر آیا

حسبِ خواہش میں اُس سے ملتے وقت
سخت اندوہ گیس نظر آیا

گرم گفتار ہے وہ کم گفتار
کیا اُسے میں نہیں نظر آیا



رنگ ہے رنگ سے تہی، اس کا شمار کیا بھلا
سب یہ ہنر ہے دید کا، نقش و نگار کیا بھلا

دائرہ نگاہ میں تو کہ ہے میرے روبرو
ہے تری روبروئی، دائرہ وار کیا بھلا

دل کی یہ ہار بھی تو ایک طور ہے زندگی کا یار
یوں بھی ہے دل خود اپنی ہار، ہار کی ہار کیا بھلا

ہے یہ قرار گاہِ بُود، ایک فرارِ صد نمود
اس میں فرار کیا بھلا، اس سے فرار کیا بھلا

وقتِ رخصت، دمِ سکوت اور صحن
آج چرخِ بریں نظر آیا

شہر ہا شہر گھومنے والو !
تم کو وہ بھی کہیں نظر آیا

اُس کو گم کر کے اپنا ہر دُراشک
ننگِ ہر آستیں نظر آیا

کون آیا ہے دیکھ تیرہ نگاہ!
نظر آیا ؟ نہیں نظر آیا

تُو مجھے اے مرے فروغِ نگاہ!
اب دمِ واپس نظر آیا

یوں تو سو طرح میں خود اپنی پہنچ سے سے پار ہوں
وہ جو پہنچ کے پار ہے اس کے ہے پار کیا بھلا

ہے یہ غبارِ روشنی، نسل و نژاد تیرگی
جیبِ غبار میں بجز، موجِ غبار کیا بھلا

عرصہِ نفس کے بیچ، کون تھا میں میں کون ہوں؟
تُو بھی وہی ہے وہ جو تھا اے مرے یار کیا بھلا!

کیف بہ کیف کم بہ کم دور بدور دم بدم
حالتِ رم بہ رم میں ہے قرب و جوار کیا بھلا

شرمندگی ہے ہم کو بہت ہم ملے تمہیں
تم سر بہ سر خوشی تھے مگر غم ملے تمہیں

میں اپنے آپ میں نہ ملا اس کا غم نہیں
غم تو یہ ہے کہ تم بھی بہت کم ملے تمہیں

ہے جو ہمارا ایک حساب اُس حساب سے
آتی ہے ہم کو شرم کہ پیہم ملے تمہیں

تم کو جہانِ شوق و تمنا میں کیا ملا
ہم بھی ملے تو درہم و برہم ملے تمہیں

اب اپنے طور ہی میں نہیں تم سوکاش کہ
خود میں خود اپنا طور کوئی دم ملے تمہیں

اس شہر حیلہ جو میں جو محرم ملے مجھے
فریاد جانِ جاں وہی محرم ملے تمہیں

دیتا ہوں تم کو خشکی مڑگاں کی میں دُعا
مطلب یہ ہے کہ دامنِ پرِ غم ملے تمہیں

میں اُن میں آج تک کبھی پایا نہیں گیا
جاناں! جو میرے شوق کے عالم ملے تمہیں

تم نے ہمارے دل میں بہت دن سفر کیا
شرمندہ ہیں کہ اُس میں بہت خُم ملے تمہیں

یوں ہو کہ اور ہی کوئی حوّا ملے مجھے
ہو یوں کہ اور ہی کوئی آدم ملے تمہیں



نہ تو دل کا، نہ جاں کا دفتر ہے
زندگی اک زیاں کا دفتر ہے

پڑھ رہا ہوں میں کاغذاتِ وجود
اور نہیں اور ہاں کا دفتر ہے

کوئی سوچے تو سوزِ کرب جاں
سارا دفتر گماں کا دفتر ہے

ہم میں سے کوئی تو کرے اصرار
کہ زمیں، آسماں کا دفتر ہے

ہجر، تعطیلِ جسم و جاں ہے میاں
وصل، جسم اور جاں کا دفتر ہے

وہ جو دفتر ہے آسمانی تر
وہ میاں جی یہاں کا دفتر ہے

ہے جو بُود و بُود کا دفتر
آخرش یہ کہاں کا دفتر ہے

جو حقیقت ہے دم بہ دم کی یاد
وہ تو اک داستاں کا دفتر ہے

ہو رہا ہے گزشتگاں کا حساب
اور آئیندگاں کا دفتر ہے



مظلوم حسرتوں کے سہاروں کا ساتھ دو
باہر نکل کے سینہ نگاروں کا ساتھ دو

اک معرکہ بہار و خزاں میں ہے ان دنوں
سب کچھ نثار کر کے بہاروں کا ساتھ دو

تم کو حریم دیدہ و دل ہے اگر عزیز
شہروں کے ساتھ آؤ، دیاروں کا ساتھ دو

آبادیوں سے عرض ہے شہروں سے التماس
اس وقت اپنے کارگزاروں کا ساتھ دو

رُخموں سے جن کے پھوٹ رہی ہے شعلِ رنگ
اُن حُسن پروروں کی قطاروں کا ساتھ دو

روشن گروں نے خوں سے جلائی ہیں مشعلیں
اُن مشعلوں کے سُرخ اشاروں کا ساتھ دو

بیدار رہ کے آخرِ شب کے حصار میں
خورشید کے جریدہ نگاروں کا ساتھ دو

یاروں کا اک ہجوم چلا ہے کفنِ بدوش
ہے آج روزِ واقعہ، یاروں کا ساتھ دو

جو حال خیز ہو دل کا، وہ حال ہے بھی نہیں
نفاں کہ اب وہ ملالِ ملال ہے بھی نہیں

تُو آ کے بے سروکارانہ مار ڈال مجھے
کہ تیغ تھی بھی نہیں اور ڈھال ہے بھی نہیں

مرا زوال ہے اس کے کمال کا حاصل
مرا زوال تو میرا زوال ہے بھی نہیں

کیا تھا جوبِ خونیں سے اس پہ میں نے نُخن
کمال تھا بھی نہیں اور کمال ہے بھی نہیں

وہ اک عجیب زلیخا ہے یعنی بے یوسف
ہمارے مصر میں اس کی مثال ہے بھی نہیں

جو تیرا جلوہ ہے وہ بام پر ہی سجتا ہے
میں خلوتی ہوں، تو میرا سوال ہے بھی نہیں

تو ایک کہنہ متاعِ دکانِ شرم ہے، شرم
ترے بدن کا کوئی حال، حال ہے بھی نہیں

وہ کیا تھی ایک عروسِ ہزار شوہر تھی
سواب مجھے غمِ ہجر و وصال ہے بھی نہیں

تری گلی میں تو کوڑے کے ڈھیر ہیں جب سے
تری گلی میں کمینوں کا کال ہے بھی نہیں



آخری بار آہ کر لی ہے
میں نے خود سے نباہ کر لی ہے

اپنے سر اک بلا تو لینی تھی
میں نے وہ زلف اپنے سر لی ہے

دن بھلا کس طرح گزار دے
وصل کی شب بھی اب گزر لی ہے

جاں نثاروں پہ وار کیا کرنا
میں نے بس ہاتھ میں سپر لی ہے

جو بھی مانگو اُدھار دوں گا میں
اُس گلی میں دکان کر لی ہے

میرا کُشکول کب سے خالی تھا
میں نے اُس میں شراب بھر لی ہے

اور تو کچھ نہیں کیا میں نے
اپنی حالت تباہ کر لی ہے

شیخ آیا تھا محتسب کو لیے
میں نے بھی اُن کی وہ خبر لی ہے



سُخن آتے ہیں اُس کے یاد بہت
دل کو تھا اُس سے اتحاد بہت

جب بھی چلتی ہے اُس طرف سے ہوا
شور کرتے ہیں نامراد بہت

حُسن پر اس کے نکتہ چیں ہی رہے
تھا طبیعت میں اجتہاد بہت

درمیانِ ہجومِ مُشتاقاں
اُس گلی میں رہے فساد بہت

اُس کا روزِ سفر اور آج کی شام
درمیاں میں ہے امتداد بہت

مجھ سے اک بادیہ نشیں نے کہا
شہر والے ہیں بدنہاد بہت

زخمِ دل کو بناؤ زخمِ ساز
بستیوں میں ملے گی داد بہت

جونِ اسلامیوں سے بحث نہ کر
تُند ہیں یہ شمود و عاد بہت



دل کو دنیا کا ہے سفر درپیش
اور چاروں طرف ہے گھر درپیش

ہے یہ عالم عجیب اور یہاں
ماجرا ہے عجیب تر درپیش

دو جہاں سے گزر گیا پھر بھی
میں رہا خود کو عمر بھر درپیش

اب میں کوئے عبثِ شتاب چلوں
کئی اک کام ہیں ادھر درپیش

اس کے دیدار کی اُمید کہاں
جبکہ ہے دید کو نظر درپیش

اب مری جان بچ گئی یعنی
ایک قاتل کی ہے سپر درپیش

کس طرح کوچ پر کمر باندھوں
ایک رہزن کی ہے کمر درپیش

خلوتِ ناز اور آئینہ
خود نگر کو ہے خود نگر درپیش



ہم جان و دل سے یار تھے، ہم کون تھے، ہم کون تھے
ہم میں سے کچھ دلدار تھے، ہم کون تھے، ہم کون تھے

آسان تھے سب کے لیے جیسے سخن لب کے لیے
اپنے لیے دشوار تھے، ہم کون تھے، ہم کون تھے

اپنے سے ہم کو بیر تھا، خود اپنا آپا غیر تھا
اپنے سے ہم بیزار تھے، ہم کون تھے، ہم کون تھے

ہم کون تھے ہم کون تھے اندر سے تھے گلزار ہم
 باہر سے ہم پُر خار تھے ہم کون تھے ہم کون تھے
 رنگیں اداؤں کے لیے شیریں نواؤں کے لیے
 ہم سر بہ سر آزار تھے ہم کون تھے ہم کون تھے



دل پریشاں ہے کیا کیا جائے
 عقل حیراں ہے کیا کیا جائے

شوقِ مشکل پسند اُن کا حصول
 سخت آساں ہے کیا کیا جائے

عشقِ خواباں کے ساتھ ہی ہم میں
 نازِ خواباں ہے کیا کیا جائے

بے سبب ہی مری طبیعتِ غم
 سب سے نالاں ہے کیا کیا جائے

باوجود اُن کی دلنوازی کے
دل گریزاں ہے، کیا کیا جائے

میں تو نقدِ حیات لایا تھا
جنس ارزاں ہے، کیا کیا جائے

ہم سمجھتے تھے عشق کو دُشوار
یہ بھی آساں ہے، کیا کیا جائے

وہ بہاروں کی ناز پروردہ
ہم پہ نازاں ہے، کیا کیا جائے

مصرِ لطف و کرم میں بھی اے جون
یادِ کنعاں ہے، کیا کیا جائے



ہم تھے نیازمندِ شوق، شوق نے ہم کو کیا دیا
صبح کا دُکھ بڑھا دیا، شام کا دُکھ بڑھا دیا

دن میں عذابِ ذات کے، تو مرا ساتھ بھی تو دے
نیند تھی میری زندگی، تو نے مجھے جگا دیا

واعظ و زاہد و فقیہ، تم کو بتائے بھی تو کون
وہ بھی عجیب شخص تھا، جس نے ہمیں خدا دیا

تُو نے بھی اپنے خدّ و خال، جانے کہاں گنوا دیے
میں نے بھی اپنے خواب کو، جانے کہاں گنوا دیا

جانے وہ کاروانِ جاں، کیوں نہ گزر سکا جسے
تُو نے بھی راستہ دیا، میں نے بھی راستہ دیا

تُو مرا حوصلہ تو دیکھ، میں ہی کب اپنے ساتھ ہوں
تُو مرا کربِ جاں تو دیکھ، میں نے تجھے بھلا دیا

ہم جو گلہ گزار ہیں، کیوں نہ گلہ گزار ہوں
میں نے بھی اُس کو کیا دیا، اُس نے بھی مجھ کو کیا دیا

قید کے گھل رہے تھے دُر، وقت تھا دل نواز تر
رنگ کی موج آئی تھی، ہم نے اُسے گنوا دیا

ہم بھی خدا سے کم نہیں، جو اُسے ماننے لگے
وہ بھی خدا سے کم نہ تھا، جس نے ہمیں خدا دیا



نہ پوچھ اُس کی جو اپنے اندر چھپا
غنیمت کہ میں اپنے باہر چھپا

مجھے یاں کسی پہ بھروسا نہیں
میں اپنی نگاہوں سے چھپ کر چھپا

پہنچ مخبروں کی سخن تک کہاں
سو میں اپنے ہونٹوں پہ اکثر چھپا

مری سُن! نہ رکھ اپنے پہلو میں دل
اسے تُو کسی اور کے گھر چھپا

یہاں تیرے اندر نہیں میری خیر
مری جاں! مجھے میرے اندر چھپا

خیالوں کی آمد میں یہ آر جا رہا
ہے پیروں کی یلغار، تُو سر چھپا



بے یک نگاہ شوق بھی، اندازہ ہے، سو ہے
با صد ہزار رنگ، وہ بے غارہ ہے، سو ہے

ہوں شامِ حالِ یک طرفہ کا اُمید مست
دستک؟ سو وہ نہیں ہے، پُر دروازہ ہے، سو ہے

آواز ہوں جو ہجرِ سماعت میں ہے سکوت
پر اس سکوت پر بھی اک آوازہ ہے، سو ہے

اک حالتِ جمال پہ جاں وارنے کو ہوں
صدِ حالتی مری، مری طنازہ ہے، سو ہے

شوقِ یقین گزیدہ ہے اب تک یقین مرا
یہ بھی کسی گمان کا خمیازہ ہے، سو ہے

اس خلوتِ وصال میں یہ حسرتِ وصال
اک خواہشِ وصال کی غمازہ ہے، سو ہے

تھی یک نگاہِ شوق مری تازگی رُبا
اپنے گماں میں اب بھی کوئی تازہ ہے، سو ہے



کیوں غم کریں جو شہر میں طوفانِ فتنہ ہے
ہے دستِ فتنہ اور گریبانِ فتنہ ہے

درمانِ فتنہ کے لیے ہے سر بہ جیب کیوں
فتنہ اٹھا کہ فتنہ ہی درمانِ فتنہ ہے

لب وا ہوئے کہ فتنہ فضا تا فضا پڑا
یہ جنبشِ نفس ہے کہ طغیانِ فتنہ ہے

بے جان ہیں یہ سارے بدن ہائے رقصِ شب
ہائے وہ اک بدن جو بدنِ جانِ فتنہ ہے

مت جا قریب پاسِ نشیب و فراز کے
یہ پہلوئے فساد ہے، پستانِ فتنہ ہے

بھاگ اپنے سایے سے کہ بنایا گیا ہے یہ
سایے میں ایک پرتوِ پنہانِ فتنہ ہے

اس کے بدن میں کیسے اماں مل گئی تھے
جو تشنگی کی جان ہے، جانانِ فتنہ ہے

آثار تک نہیں کسی فتنے کے دور تک
فارغ نہ بیٹھیو کہ یہی آنِ فتنہ ہے

نکلا بھی جو وقت پہ سورج گیا بھی ڈوب
آں سوئے کہکشاں کوئی سامانِ فتنہ ہے



ایک سایہ مرا میسا تھا
کون جانے وہ کون تھا، کیا تھا

وہ فقط صحن تک ہی آتی تھی
میں بھی حجرے سے کم نکلتا تھا

تجھ کو بھولا نہیں وہ شخص کہ جو
تیری بانہوں میں بھی اکیلا تھا

جان لیوا تھیں خواہشیں ورنہ
وصل سے انتظار اچھا تھا

بات تو دل شکن ہے پر یارو!
عقل سچی تھی، عشق جھوٹا تھا

اپنے معیار تک نہ پہنچا میں
مجھ کو خود پر بڑا بھروسہ تھا

جسم کی صاف گوئی کے باوصف
روح نے کتنا جھوٹ بولا تھا



دل نے وحشت گلی گلی کر لی
اب گلہ کیا، بہت خوشی کر لی

یار! دل تو بلا کا تھا عیاش
اس نے کس طرح خودکشی کر لی

نہیں آئیں گے اپنے بس میں ہم
ہم نے کوشش رہی سہی کر لی

اب تو مجھ کو پسند آ جاؤ
میں نے خود میں بہت کمی کر لی



ضبط کر کے ہنسی کو بھول گیا
میں تو اُس زخم ہی کو بھول گیا

ذات در ذات ہم سفر رہ کر
اجنبی ، اجنبی کو بھول گیا

صبح تک وجہ جانکئی تھی جو بات
میں اُسے شام ہی کو بھول گیا

عہدِ وابستگی گزار کے میں
وجہِ وابستگی کو بھول گیا

یہ جو حالت ہے اپنی حالتِ زار
ہم نے خود اپنے آپ ہی کر لی

اب کریں کس کی بات ہم آخر
ہم نے تو اپنی بات بھی کر لی

قافلہ کب چلے گا خوابوں کا
ہم نے اک اور نیند بھی کر لی

اُس کو یکسر بھلا دیا پھر سے
یعنی بات کی ہوئی کر لی

آج بھی رات بھر کی بے خوابی
دل بیدار نے کھری کر لی

کیا خدا اُس سے دل لگی کرتا
ہم نے تو اُس سے بات بھی کر لی

سوچ کر اُس کی خلوت انجمنی
داں میں اپنی کمی کو بھول گیا

سب بُرے مجھ کو یاد رہتے ہیں
جو بھلا تھا اُسی کو بھول گیا

اُن سے وعدہ تو کر لیا لیکن
اپنی کم فرصتی کو بھول گیا

بستیو! اب تو راستہ دے دو
اب تو میں اُس گلی کو بھول گیا

اُس نے گویا مجھی کو یاد رکھا
میں بھی گویا اُسی کو بھول گیا

یعنی تم وہ ہو، واقعی؟ حد ہے
میں تو سچ مچ سبھی کو بھول گیا

سب دلیلیں تو مجھ کو یاد رہیں
بحث کیا تھی اسی کو بھول گیا

کیوں نہ ہونا ز اس ذہانت پر
ایک میں ہر کسی کو بھول گیا

سب سے پُر امن واقعہ یہ ہے
آدمی، آدمی کو بھول گیا

قہقہہ مارتے ہی دیوانہ
ہر غم زندگی کو بھول گیا

خواب ہا خواب جس کو چاہا تھا
رنگ ہا رنگ اُسی کو بھول گیا

کیا قیامت ہوئی اگر اک شخص
اپنی خوش قسمتی کو بھول گیا

آخری بُتِ خدا نہ کیوں ٹھہرے
بُتِ شکن، بُتِ گری کو بھول گیا

اب تو ہر بات یاد رہتی ہے
غالباً میں کسی کو بھول گیا

اُس کی خوشیوں سے جلنے والا جون
اپنی ایذا دہی کو بھول گیا



یارو! نگہ یار کو، یاروں سے گلہ ہے
خونیں جگروں، سینہ فگاروں سے گلہ ہے

جاں سے بھی گئے، بات بھی جاناں کی نہ سمجھی
جاناں کو بہت عشق کے ماروں سے گلہ ہے

اب وصل ہو یا ہجر، نہ اب تک بسر آیا
اک لمحہ، جسے لمحہ شماروں سے گلہ ہے

اُڑتی ہے ہر اک شور کے سینے سے خموشی
صحراؤں کو پُر شور دیاروں سے گلہ ہے

بیکار کی اک کارگزاری کے حسابوں
بیکار ہوں اور کارگزاروں سے گلہ ہے

میں آس کی بستی میں گیا تھا سو یہ پایا
جو بھی ہے اُسے اپنے سہاروں سے گلہ ہے

بے فصل اشاروں سے ہوا خون جنوں کا
اُن شوخ نگاہوں کے اشاروں سے گلہ ہے



ہر خراشِ نفس ، لکھے جاؤں
بس لکھے جاؤں، بس لکھے جاؤں

ہجر کی تیرگی میں روک کے سانس
روشنی کے برس لکھے جاؤں

اُن بسی بستیوں کا سارا لکھا
دُھول کے پیش و پس لکھے جاؤں

مجھ ہوسِ ناک سے ہے شرط کہ میں
بے حسی کی ہوس لکھے جاؤں

ہے جہاں تک خیال کی پرواز
میں وہاں تک نفس لکھے جاؤں

ہیں خس و خاِردیدِ رنگ کے رنگ
رنگ پر خار و خس لکھے جاؤں



کچھ کہوں، کچھ سنوں، ذرا ٹھہرو
ابھی زندوں میں ہوں، ذرا ٹھہرو

منظرِ جشنِ قتلِ عام کو میں
جھانک کر دیکھ لوں، ذرا ٹھہرو

مت نکلنا کہ ڈوب جاؤ گے
خوں ہے بس، خوں ہی خوں، ذرا ٹھہرو

صورتِ حال اپنے باہر کی
ہے ابھی تک زبوں، ذرا ٹھہرو

ہاتھ سے اپنے لکھ کے نام اپنا
میں تمہیں سونپ دوں، ذرا ٹھہرو

میرا دروازہ توڑنے والو !
میں کہیں چھپ رہوں، ذرا ٹھہرو



وقت درماں پذیر تھا ہی نہیں
دل لگایا تھا، دل لگا ہی نہیں

ترکِ اُلفت ہے کس قدر آسان
آج تو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں

ہے کہاں موجہ صبا وہ شمیم
جیسے تُو موجہ صبا ہی نہیں

جس سے کوئی خطا ہوئی ہو کبھی
ہم کو وہ آدمی ملا ہی نہیں

وہ بھی کتنا کٹھن رہا ہو گا
جو کہ اچھا بھی تھا، بُرا ہی نہیں

کوئی دیکھے تو میرا حجرۂ ذات
یاں سبھی کچھ وہ تھا، جو تھا ہی نہیں

ایک ہی اپنا ملنے والا تھا
ایسا پھڑا کہ پھر ملا ہی نہیں



دل کا دیارِ خواب میں، دُور تلک گُزر رہا
پاؤں نہیں تھے درمیاں، آج بڑا سفر رہا

ہو نہ سکا کبھی ہمیں، اپنا خیال تک نصیب
نقش کسی خیال کا، لوحِ خیال پر رہا

نقش گروں سے چاہیے، نقش و نگار کا حساب
رنگ کی بات مت کرو، رنگ بہت پکھر رہا

جانے گماں کی وہ گلی، ایسی جگہ ہے کون سی
دیکھ رہے ہو تم کہ میں، پھر وہیں جا کے مبر رہا

دل! مرے دل مجھے بھی تم اپنے خواص میں رکھو
یاراں تمہارے باب میں، میں ہی نہ معتبر رہا

شہرِ فراقِ یار سے آئی ہے اک خبر مجھے
کوچہِ یادِ یار سے، کوئی نہیں ابھر رہا



خونیں جگراں، سینہ فگراں پہ نظر ہو
جاناں کبھی، ان کارگزاراں پہ نظر ہو

اے یار کسی شام، مرے یار کسی شام
بے رونقی محفلِ یاراں پہ نظر ہو

یہ دفتری رنگ ہیں سرکارِ بہاراں
ان زخمِ نگاراں بہاراں پہ نظر ہو

رنگ ایک ہے قامت کئی اسکے ہیں سوائے دل
ساری ہی صفِ شوخ نگاراں پہ نظر ہو

جو تجھ سے بھی ہیں بے سروکار اب تری خاطر
آخر کبھی اُن بے سروکاراں پہ نظر ہو

جو نام شماراں ہیں ترے اہلِ وفا کے
جاناں! کبھی ان نام شماراں پہ نظر ہو



وہ کہکشاں، وہ رہِ رقصِ رنگ ہی نہ رہی
ہم اب کہیں بھی رہیں؛ جب تری گلی نہ رہی

تمہارے بعد کوئی خاص فرق تو نہ ہوا
جُویں قدر کے وہ پہلی سی زندگی نہ رہی

یہ ذکر کیا کہ خرد میں بہت تصنع ہے
ستم یہ ہے کہ جنوں میں بھی سادگی نہ رہی

قلم و غمِ جاناں ہوئی ہے جب سے تباہ
دل و نظر کی فضاؤں میں زندگی نہ رہی

نکال ڈالیے دل سے ہماری یادوں کو
یقین کیجیے ہم میں وہ بات ہی نہ رہی

جہاں فروز تھا یادش بخیر اپنا جنوں
پھر اُس کے بعد کسی شے میں دل کشی نہ رہی

دکھائیں کیا تمہیں داغوں کی لالہ انگیزی
گزر گئیں وہ بہاریں، وہ فصل ہی نہ رہی

وہ ڈھونڈتے ہیں سرِ جادۂ اُمید کسے
وہاں تو قافلے والوں کی گرد بھی نہ رہی



ہو کے غلطاں خوں میں، کوئی شہسوار آیا تو کیا
زخم خوردہ بے قراری کو، قرار آیا تو کیا

زندگی کی دھوپ میں مُرجھا گیا میرا شباب
اب بہار آئی تو کیا، ابر بہار آیا تو کیا

میرے تیورِ مجھ گئے، میری نگاہیں جل گئیں
اب کوئی آئینہ رُو، آئینہ دار آیا تو کیا

اب کہ جب جانانہ تم کو ہے سبھی پر اعتبار
اب تمہیں جانانہ مجھ پر اعتبار آیا تو کیا

اب مجھے خود اپنی بانہوں پر نہیں ہے اختیار
ہاتھ پھیلانے کوئی بے اختیار آیا تو کیا

وہ تو اب بھی خواب ہے؛ بیدار بینائی کا خواب
زندگی میں خواب میں اس کے گوار آیا تو کیا

ہم یہاں بیگانہ ہیں سو ہم میں سے جو ن ایلیا
کوئی جیت آیا یہاں اور کوئی ہار آیا تو کیا



ہر نفس پیچ و تاب ہے؛ تاحال
ہوئے انقلاب ہے؛ تاحال

سیلِ خوں کا حساب ادا نہ ہوا
مجھ کو اُس سے حجاب ہے؛ تاحال

دل نے اُس کو لکھے ہیں سو مکتوب
انتظارِ جواب ہے؛ تاحال

خواب تو اب نہیں ہے یاد مگر
فکرِ تعبیرِ خواب ہے؛ تاحال

تُو نے پُوچھی نہ خیریت جس کی
حال اُس کا خراب ہے، تا حال

چارہ گر تُو جو دیکھ آیا تھا
بس وہی اضطراب ہے، تا حال

فاقہ مستو ! کماؤ نفعِ حلال
روزہ داری ثواب ہے، تا حال

ہے بجا وہ اگر بُرا مانے
عذرِ مستی شراب ہے، تا حال

ہوں معاشِ فریب سے محروم
وہی قحطِ سراب ہے، تا حال



جو رنج بھی مری جاں کو پہونچا
وہ میرے تئیں جہاں کو پہونچا

آواز سی کان میں اک آئی
نقصان کسی زیاں کو پہونچا

ہاں سینہ بہ سینہ لب بہ لب جاں
پیغامِ گماں، گماں کو پہونچا

پر چھائیں نے دھوپ سے لیا سُود
ہر نفعِ یہاں، زیاں کو پہونچا

لو اس کا حساب تو جبیں سے
جو زخم کہ آستاں کو پہونچا

کیا قہر تھی جنبشِ پرکاہ
صدمہ تھا جو کہکشاں کو پہونچا

تھامیرے بھی دُکھ سے کچھ زیادہ
وہ دُکھ جو حساب داں کو پہونچا

خونیں نفسی کے ہاتھ جاناں
خلعت ترے نغمہ خواں کو پہونچا



میرا میری ذات میں سودا ہوا
اور میں پھر بھی نہ شرمندہ ہوا

کیا سناؤں سرگزشتِ زندگی
اک سرائے میں تھا میں ٹھیرا ہوا

پاس تھارشتوں کا جس بستی میں عام
میں اس بستی میں بے رشتہ ہوا

اک گلی سے جب سے رُوٹھن ہے مری
میں ہوں سارے شہر سے رُوٹھا ہوا

پنج شنبہ اور دُکانِ ے فروش
کیا بتاؤں ؛ کیسا ہنگامہ ہوا



تم میرا دُکھ بانٹ رہی ہو، میں دل میں شرمندہ ہوں
اپنے جھوٹے دُکھ سے تم کو کب تک دُکھ پہنچاؤں گا

تم تو وفا میں سرگرداں ہو، شوق میں رقصاں رہتی ہو
مجھ کو زوالِ شوق کا غم ہے، میں پاگل ہو جاؤں گا

جیت کے مجھ کو خوش مت ہونا، میں تو اک پچھتاوا ہوں
کھوؤں گا، گڑھتا ہی رہوں گا، پاؤں گا، پچھتاؤں گا

عہدِ رفاقت ٹھیک ہے لیکن، مجھ کو ایسا لگتا ہے
تم تو میرے ساتھ رہو گی، میں تنہا رہ جاؤں گا

شام کو اکثر بیٹھے بیٹھے، دل کچھ ڈوبنے لگتا ہے
 تم مجھ کو اتنا مت چاہو، میں شاید مر جاؤں گا
 عشق کسی منزل میں آ کر اتنا بھی بے فکر نہ ہو
 اب بستر پر لیٹوں گا میں، لیٹتے ہی سو جاؤں گا



اُس گلی میں نہ جائیں گے ویسے
 جائیں گے پھر اُسی گلی میں ہم

خودنمائی کے دن گئے اُٹھے
 ہیں بہت تیز روشنی میں ہم

نہیں معلوم آ گئے ہیں کہاں
 چل پڑے تھے رواروی میں ہم

درمیانِ نزاعِ دیر و حرم
 مارے جاتے ہیں کس خوشی میں ہم



وہ کیا تغیرات کے سانچے میں ڈھل گئے
ہم بھی کچھ اور ہو گئے، ہم بھی بدل گئے

کس انجمن سے داد طلب ہوں وہ کم نصیب
جو شامِ ناری کے اندھیروں میں جل گئے

ہے زادِ راہِ عشق اُنہی قافلوں کی یاد
جو زندگی کی دوڑ میں آگے نکل گئے

اے جانِ نغمگی! اُنہیں اب یاد بھی نہ کر
وہ راگِ آگ ہو گئے، وہ ہونٹِ جل گئے

لفظِ وفا سے اب وہ تاثر نہ کر قبول
اس عام فہم لفظ کے معنی بدل گئے

ہم کہاں تا نشاطِ صبح گہی
لوٹ جائیں گے رات ہی میں ہم

یہ نہ مخفی رہے، دَمِ تحسین
گھٹ رہے ہیں، نواگری میں ہم

خود کو برباد کر لیا ہے سوا ب
محو ہیں اپنی دلدہی میں ہم

الغرض چین سے نہ بیٹھیں گے
اے خدا! تیری زندگی میں ہم

اب میں اپنی تباہیوں کے بچ
ہوں تری یادگار کے مانند

ہم تھے اے زلف تیرے افشاگر
موج باد بہار کے مانند

مہلکے میں پڑی ہے جاں مری
اُس کا قامت ہے دار کے مانند

اے کفِ پا! یہ جی میں آتا ہے
تجھ میں جُھ جاؤں خار کے مانند

نکلنے کی باندھ دیکھتا ہے مجھے
قیس اک ہونہار کے مانند

بیٹھ جا راہ میں قرینے سے!
یاد آئی ہے، یار کے مانند



دید تھی انتظار کے مانند
وصل تھا ہجرِ یار کے مانند

ہم رمیدہ رہے غزالوں سے
آہوانِ بتار کے مانند

کر کے بسل گیا ہے جو مجھ کو
ہے کٹیلا، کٹار کے مانند

اُس سے مل کر سدھارنا اپنا
تھی وہ حالت بخار کے مانند

یاں اب اک انتشار ہے درکار
زُلف کے انتشار کے مانند

سربہ زانو ہے آسماں میں خدا
کسی بے اختیار کے مانند



کوچہ یار! تیری خاک، دولتِ روزگار ہے
تجھ پہ جو ہو گئے نثار، اُن پہ جہاں نثار ہے

عشق کے زخمِ خونچکاں مشعلِ راہ بن گئے
پرتو زخمِ خوں چکاں، شمعِ سر مزار ہے

شہرِ وفا ترے شہید، شاید شہرِ جاں بنے
شہر بہ شہر ذکر ہے، ناز ہے، افتخار ہے

عشق ترے ادا شناس، اپنی مثال آپ ہیں
جو بھی ہے، سر بلند ہے، جو بھی ہے خاکسار ہے

میری نگاہِ شوق سے تیری نگاہ جھک گئی
عشقِ نظر کی جیت ہے، حُسنِ نظر کی ہار ہے

اے صفِ زخمِ خوردگاں، دستِ جاں سپردگاں
وقتِ ترا حصار ہے، وقت کا تُو حصار ہے

جانِ چمن رہو گے تم، غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل
خون شدگاں تمہارا خون، نقشِ گر بہار ہے

شوقِ فزوں تری سبیل، خود ترے خون کی سبیل
خود ترا بارِ امتحان، راہ کا برگ و بار ہے



دولتِ دہر سب لٹائی ہے
میں نے دل کی کمائی کھائی ہے

ایک لمحے کو تیر کرنے میں
میں نے اک زندگی گنوائی ہے

وہ جو سرمایہٴ دل و جاں تھی
اب وہی آرزو پرائی ہے

تُو ہے آخر کہاں کہ آج مجھے
بے طرح اپنی یاد آئی ہے

جانِ جاں تجھ سے دُوبدو ہو کر
میں نے خود سے شکست کھائی ہے

عشق میرے گمان میں یاراں
دل کی اک زور آزمائی ہے

اُس میں رہ کر بھی میں نہیں اُس میں
جانے دل میں کیا سمائی ہے

موجِ بادِ صبا پہ ہو کے سوار
وہ شمیم خیال آئی ہے

شرم کر تُو کہ دشتِ حالت میں
تیری لیلیٰ نے خاک اُڑائی ہے

پک نہیں پا رہا تھا سو میں نے
اپنی قیمت بہت بڑھائی ہے

وہ جو تھا جوآن وہ کہیں بھی نہ تھا
حُسنِ اک خواب کی جدائی ہے



فراق کیا ہے اگر، یادِ یار دل میں رہے
خزاں سے کچھ نہیں ہوتا، بہار دل میں رہے

گزار روز و شبِ وصلِ اک نگار کے ساتھ
وہ ہے جو ایک شبِ انتظارِ دل میں رہے

تُو اپنی ذات کے باہر نہ پکھریو زہنہار
فضا کو صاف ہی رکھیو، غبارِ دل میں رہے

نہ ہو اگر نہیں دیوار ہائے نقش و نگار
خیالِ پرتوِ نقش و نگار، دل میں رہے

رہی ہیں جس سے گزرنے کی حسرتیں کیا کچھ
گزارنا ہے تو وہ رہ گزار، دل میں رہے

لبوں کا یہ ہے کہ رشتہ سبھی سے ہے اُن کا
بنے نہ جس سے لبوں کی وہ خار دل میں رہے

تُو بچ دے سر بازارِ ہوش دل اپنا
ہو اک خیال جو دیوانہ وار دل میں رہے



دل کو اک بات کہہ سنائی ہے
ساری دنیا فقط کہانی ہے

تُو مری جان داستاں تھا کبھی
اب ترا نام داستانی ہے

سہ چکے زخم التفات ترا
اب تری یاد آزمائی ہے

اک طرف دل ہے اک طرف دنیا
یہ کہانی بہت پرانی ہے



زندگی کیا ہے، اک کہانی ہے
یہ کہانی نہیں سُنائی ہے

ہے خدا بھی عجیب، یعنی جو
نہ زمینی، نہ آسمانی ہے

ہے مرے شوقِ وصل کو یہ رگلہ
اس کا پہلو، سرائے فانی ہے

اپنی تعمیرِ جان و دل کے لیے
اپنی بنیاد، ہم کو ڈھانی ہے

تھا سوال اُن اُداس آنکھوں کا
زندگی کیا نہیں گنوائی ہے

کیا بتاؤں میں اپنا پاسِ انا
میں نے ہنس ہنس کے ہار مانی ہے

ہوس انگیز ہے بدن تیرا
ہائے میری ہوس کہ فانی ہے

روزمرہ ہے زندگی کا عجیب
رات ہے اور نیند آنی ہے

زندگی کس طرح گزاروں میں
مجھ کو روزی نہیں کمائی ہے

یہ ہے لمحوں کا ایک شہرِ ازل
یاں کی ہر بات ناگہانی ہے

چلیے اے جانِ شام آج تمہیں
شمعِ اک قبر پر جلانی ہے

رنگ کی اپنی بات ہے ورنہ
آخرش خون بھی تو پانی ہے

اک عبث کا وجود ہے جس سے
زندگی کو مُراد پانی ہے

شام ہے اور صحن میں دل کے
اک عجب حُزنِ آسمانی ہے

شہرِ یہ دوسروں کا تھا، جس میں ہمیں سہا گیا
آج یہ بات سوچ کر دل سے ہر اک گلہ گیا

دل یہ عجیب بات ہے تیری نہیں سنی گئی
تھے جو بلا کے سنگدل، اُن کا کہا سنا گیا

ہاں! تری آرزوئے ناز ہم کو بہت عزیز تھی
پر ترے گئے ناز میں، ہم سے نہیں رہا گیا

ہار سنگھار ہے اُداس اور وہ یوں کہ اک پرند
چھوڑ کے اپنا آشیاں، جانے کہاں چلا گیا

اس کا حساب حشر تک، کون لگائے گا بھلا
تجھ سے گیا تو کیا گیا، مجھ سے گیا تو کیا گیا

بات یہ ہے کہ میں جو تھا، خود سے نہیں تھا با وفا
اس لیے اپنے آپ میں، مجھ سے نہیں رہا گیا

دل کا ہماری ذات سے اور برون ذات سے
جون عجب تھا سلسلہ ہائے وہ سلسلہ گیا



نگہت باد بہاری جا چکی
خسرو گل کی سواری جا چکی

اے متاع روزگارِ عاشقاں
عشق کی بازی تو ہاری جا چکی

اے زمیں! مرثدہ کہ انجیل وفا
آسمانوں سے اُتاری جا چکی



ابھی اک شور سا اٹھا ہے کہیں
کوئی خاموش ہو گیا ہے کہیں

ہے کچھ ایسا کہ جیسے یہ سب کچھ
اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے کہیں

تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ چیزوں کو
کہیں رکھتا ہے، ڈھونڈتا ہے کہیں

جو یہاں سے کہیں نہ جاتا تھا
وہ یہاں سے چلا گیا ہے کہیں

آج شمشان کی سی بو ہے یہاں
کیا کوئی جسم جل رہا ہے کہیں

اب نہیں دل میں وہ سوز انتظار
زندگی شاید گزاری جا چکی

شانہ دل بھی شکستہ ہو چکا
زلفِ جاناں بھی سنواری جا چکی



اُس کی گلگشت رہ گئی ٹل کے
پھول مرجھا گئے ہیں جنگل کے

دشت میں یہ خبر ہے گرم میاں
لوگ دریا سے آئے ہیں جل کے

بند تکتہ قبائے خواب کا تھا
دل تو بس ہاتھ رہ گیا مل کے

ایک طوفان ہم بپا کر دیں
ناف پیالہ ترا اگر چھلکے

اہل دل ہوں کہ اہل دانش ہوں
ہیں سبھی اپنی اپنی اٹکل کے

ہم کسی کے نہیں جہاں کے سوا
ایسی وہ خاص بات کیا ہے کہیں

تُو مجھے ڈھونڈ میں تجھے ڈھونڈوں
کوئی ہم میں سے رہ گیا ہے کہیں

کتنی وحشت ہے درمیانِ ہجوم
جس کو دیکھو، گیا ہوا ہے کہیں

میں تو اب شہر میں کہیں بھی نہیں
کیا مرا نام بھی لکھا ہے کہیں

اسی کمرے سے کوئی ہو کے وداع
اسی کمرے میں چھپ گیا ہے کہیں

مل کے ہر شخص سے ہوا محسوس
مجھ سے یہ شخص مل چکا ہے کہیں

بات تُو کیجیو نہ ذروں کی
ان سے تو ہیں پہاڑ بھی ہلکے

کوچ اس کی لچک سے ہم نے کیا
ہم نہ تھے اس کمر کے اک بل کے

اک گمانِ گزشت ہیں ہم جی
اور ہزاروں کھرب ہیں اک پل کے

دل گلی میں ہے اک عجب ہلچل
نہیں پہنچا میں خود تک چل کے

آج کے تھے معاملے کیا کیا
جانے کیا ہوں معاملے کل کے

وہ نہ قابو میں آ سکا صاحب
ورنہ ہم تو غضب تھے گس بل کے

میں جو بیٹا ہوں اک فرنگن کا
جو سنولا گیا ہوں جل جل کے



دستِ تہی سے معرکہٴ حال سر کیا
ہر در سے ہم نے دستِ فشانناں گزر گیا

مقوم میں قدم کے مسافت تھی بے حساب
پس ہم نے شہر و دشت سے بیروں سفر کیا

خلوت سوال کرتی ہے سینے کا اک خلا
بے خلوتی کو ہم نے ترے نام پر کیا

جامے میں جان کیسے پڑی اک عجب میں ہوں
کیوں لفظ نے بہ صورتِ معنی اثر کیا

تھا اس سے نیم گام جدائی کا فاصلہ
ہم نے اُسی میں خود کو بسر عمر بھر کیا

سیل شعور میں تھا کہاں بے خودی کا ہوش
جو ہم نے جان کر نہ کیا، جان کر کیا

اُن حالتوں کی یاد ترا حال خوش کہ جب
وہ شرم کیفیت میں رہا، ہم نے شر کیا



وہ کہاں، جس کی شکل دیکھوں میں
دل ہے خوں، اس کی شکل دیکھوں میں

نہیں دیکھی ہے شکل تک اُس کی
خواب میں کس کی شکل دیکھوں میں

زنگ خوردہ ہے آئینہ، سو چلو
کسی مفلس کی شکل دیکھوں میں

ہاں مجھے اور کام ہی کیا ہے
یوں ہی جس تس کی شکل دیکھوں میں

جب وہ مجلس نشیں نہیں تو بھلا
اہل مجلس کی شکل دیکھوں میں



نہ میرے لیے حُسن میں اب کشش ہے، نہ کچھ کیف ہے، رندی و سرخوشی میں
یہ کیا ہو گیا میری دیوانگی کو، یہ کیا انقلاب آ گیا زندگی میں

میں کب سے کڑی دھوپ میں چل رہا ہوں، نہ کیسو کا سایہ، نہ آنچل کی چھاؤں
کبھی کتنی ہی شبِ نیمی خلوتیں تھیں، مرے جادہ شوق و آشفنگی میں

بھلا دو جنوں کے وہ سارے فسانے، وہ اپنا ترنم وہ میرے ترانے
جنوں کے لیے کچھ رعایت نہیں ہے، نئے عہد کی سنگ دل آگہی میں

بہت بے وفا ہیں وفا کرنے والے، یہ تم کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو
کسے فرصتِ کاروبار وفا ہے، کسے دل کا احساس ہے بے حسی میں



تم بھی جاناں کوئی نہیں ہو، میں بھی کوئی نہیں
یہ جو سخن ہے میرا، میری ہرزہ گوئی نہیں

خوابوں کی تو بات دگر ہے، خواب گہ دل میں
ایسی بھی کچھ آنکھیں تھیں، جو پل بھر سوئی نہیں

ملکوں ملکوں پھر کر میں نے ایک ہی سچ پایا
سب کچھ ہے دنیا میں لیکن، بس دل جوئی نہیں

مجھ کو متاعِ غم اپنی کو خرچ نہ کرنا تھا
ترتھیں لہو میں میری آنکھیں، لیکن روئی نہیں

سبز تمناؤں سے جس کی سب کچھ تھا سرشار
فصلِ امید اس پاگل دل نے اب تک بوئی نہیں

ہمیشہ سے پرویز و شیریں کا رشتہ ہے زریں حکایت، کھنکتی حقیقت
یہ رشتہ ہے زنجیرِ تعزیرِ محنت، کھپاؤ نہ سر مُزدِ تیشہ زنی میں

اگر اب نہیں تو بہت جلد تم کو بھلانے پہ مجبور کر دے گی دنیا
وہ سب عہد و پیاں جو تم نے کیے تھے، تصور کی مہکی ہوئی چاندنی میں



جب سے میں اپنے آپ میں آیا، نیند گئی آرام گیا
یادوں نے وہ شور مچایا، نیند گئی آرام گیا

میں ہوں اور میں ایک نہیں ہوں، اپنی شبِ تہائی میں
مجھ سے میرا میں ٹکرایا، نیند گئی آرام گیا

نیند میری پلکوں پر جاگی، چشمِ براہ آرام کی تھی
منتظری میں وقت گنوا یا، نیند گئی آرام گیا

جاناں! دونوں ایک ہیں شاید وعدہ خلافی اور وعدہ
تیرے وعدے نے تڑپایا، نیند گئی آرام گیا

تمہارے مغنی نے لب سی لیے ہیں، کہ انفاس پر آگئی تھیں خراشیں
بھلا کیوں کوئی اپنا سینہ دکھائے، ہوں جذبات جب عالم جانکنی میں

مرے عہدِ ماضی کی سرشارِ صبحو! غمِ دل کے زنداں سے باہر نہ آؤ
اندھیروں کا طوفان ڈبو دے گا تم کو، دوبارہ غمِ یاس کی تیرگی میں

سائے ہیں یا سانسوں کے سایوں کا پر تو آشوب
ہے آشوب کنناں ہر سایہ نیند گئی آرام گیا

اپنا دکھ ہو تو ہم اس کو اپنے ڈھب پر لے آئیں
اپنا تو دکھ بھی ہے پرایا، نیند گئی آرام گیا

سینے میں کہرام پڑا ہے ہونٹوں نے چپ سا دھمی ہے
شور خموشی میں بھر پایا، نیند گئی آرام گیا

جب کچھ کچھ آرام آیا اور نیند بھی آنے والی تھی
بس پھر کیا تھا، میں چلایا، نیند گئی آرام گیا



عرق عرق مری بانہوں میں اُس نگار کو دیکھ
بہارا! تُو مرے یارِ بدن بہار کو دیکھ

وہی ہے سوزِ فراق از وصال تا بہ وصال
نہ نبجھ سکے گی مری پیاس، میرے پیار کو دیکھ

ورودِ قاصدِ گلگوں قبائے جاناں سے
جواب کے دشت میں آئی ہے اُس بہار کو دیکھ

ہے رنگِ حیلہ پرویز اڑا ہوا اب کے
شکوہ تیشہ بدوشانِ تازہ کار کو دیکھ

خدا کو حق کے مقابل میں کھینچ لائے ہیں
ذرا زوالِ خدایانِ روزگار کو دیکھ

دک اٹھے وہ کنائے چمک اٹھے سائے
فروغِ شعلہ فشانانِ حرفِ دار کو دیکھ

ہے دستہ دستہ عجب شورِ رقص و جامہ دری
نشاطِ کوکبہ رہ گزارِ یار کو دیکھ

ترانہ خواں ہیں کبھی اور گلہ کنایاں ہیں کبھی
گروہِ لحظہ شمارانِ انتظار کو دیکھ



پُر امیدِ بحال مت کیجو
تُو ہمارا خیال مت کیجو

ایک ہل ہے کہ ہے ہمیشہ سے
گلہ ماہ و سال مت کیجو

جان ہی چاہے دل کو دھوکا دے
کچھ بھی ہو، تُو ملال مت کیجو

تُو خیالوں کو اور خوابوں کو
اپنے حق میں وبال مت کیجو



شکوہ اوّل تو بے حساب کیا
اور پھر بند ہی یہ باب کیا

جانتے تھے بدی عوام جسے
ہم نے اُس سے بھی اجتناب کیا

تھی کسی شخص کی تلاش مجھے
میں نے خود کو ہی انتخاب کیا

اک طرف میں ہوں اک طرف تم ہو
جانے کس نے کسے خراب کیا

یہ دیارِ زوال ہے سو یہاں
جون کوئی کمال مت کیجو

میرے دل تجھ سے عرض ہے میری
مجھ سے تُو کوئی چال مت کیجو

جب تک زخم ہیں سورنگ بھی ہے
ہوس اندمال مت کیجو

رات بابا الف نے فرمایا
یاں کوئی بھی سوال مت کیجو

لال ہیں اس کے ہونٹ اور کتنے
تُو انہیں اور لال مت کیجو

آخرب کس کی بات مانوں میں
جو ملا، اُس نے لاجواب کیا
یوں سمجھ تجھ کو مضطرب پا کر
میں نے اظہارِ اضطراب کیا



کبھی آؤ نازِ نازاں، سوئے بزمِ بے نیازاں
کہ سکھائیں کچھ ادائیں، تمہیں یہ ادا نوازاں

نفسِ شمیم! تیری ہو سحر گہی سے
ہیں شکن شکن پریشاں، مرے گیسوئے درازاں

ہے مری خزاں سے زرخِ ہوسِ بہارِ بالا
ہیں مرے بدن بہاراں، مری اس خزاں پہ نازاں

مرا سُرخِ فامِ سرخوش انہیں یاد کر رہا ہے
رہے سرنگوں جو یاراں، ہیں کہاں وہ سرفرازاں



بستیوں پر ہے کوہکن تنہا
کیا خوش آیا ہے کارفن تنہا

بے مثالی پہ خوش نہ ہو یعنی
رہ گیا تیرا بانکپن تنہا

سُن رہے ہو تمہارے اُٹھتے ہی
ہو گئی ساری انجمن تنہا

جب سے تھک کر گرے ہیں ہم تب سے
ہیں غزالاں، ختن ختن تنہا

شہر لے جا رہے ہیں مجنوں کو
آج سے ہو رہا ہے بن تنہا

جو بدن پہ کھل رہا ہو وہی چاہیے بدن کو
مرے زخم تیرے زیور ہیں سبھی زمانہ سازاں

ہے سکوت بیکرانہ، جو نہ تیرہ ہے نہ روشن
ابھی وانہیں ہوئے ہیں لب کہکشاں گدازاں



تھے عجب دن ہماری حالت کے
ہم تھے اک پیشہ ور شکایت کے

خود ہی وہ آ گیا تھا دل کے قریب
ہم ہیں مارے ہوئے سہولت کے

نشہ چڑھنے لگا اُداسی کا
پھول مہکے ہیں شامِ فرقت کے

دل میں اک آگ ہے سو ہے لیکن
کوئی معنی نہیں محبت کے



جو بھی ہے یادگار ہے، آخرِ شب ہے دوستاں
ہے شبِ آخرِ بہارِ آخرِ شب ہے دوستاں

اب نہ کرو یہ تذکرہ کس سے کسے گلے رہے
سب کو تھا سب پہ اعتبارِ آخرِ شب ہے دوستاں

رنگِ فسوں مے بھی ہے لہر ہے اور لے بھی ہے
ہیں دل و دیدہ سو گوارِ آخرِ شب ہے دوستاں

وقتِ وداع آ گیا، آؤ یہ بات جان لیں
کون تھا کس کا جاں نثارِ آخرِ شب ہے دوستاں

لب سے ہوا ہے شعلہ وار نعرہ ہاؤ ہو بلند
رقص ہوا ہے شعلہ وارِ آخرِ شب ہے دوستاں

سب کرو اپنے اپنے کام کہ میں
دُکھ اٹھاتا ہوں اپنی فرصت کے

آسمانِ نمودی جاوید
نہیں زمیں پر یہ دن قیامت کے

وہ بدن تھا غضب ہوس انگیز
تھے وہ شہوت کے دن شہادت کے

ہم ہیں اک طائفہ غلاموں کا
سو وفادار ہیں حکومت کے



یاں ہیں سب اپنی اپنی حالت کے
شہر آباد دل کی وحشت کے

اے خوشا حال جب کہ تھے معنی
حالتِ حال بے نہایت کے

حرم و دیر کی سیاست ہے
اور سب فیصلے ہیں نفرت کے

یار کل صبح آئے ہم کو نظر
آدمی کچھ عجیب صورت کے

ان دنوں حال شہر کا ہے عجیب
لوگ مارے ہوئے ہیں دہشت کے

جشن اک بے ضرورتی کا ہے
ہم نہیں ہیں کسی ضرورت کے

اب کہاں وہ ترا پیالہ ناف
ہائے یہ دن نشے کی ہجرت کے

یعنی جو کچھ ہے اک تماشا ہے
یعنی سب کھیل ہیں مشیت کے

میں ہوا نوش ہوں سراپوں کا
عیش ہیں تشنگی کی لذت کے



نہیں جذبے کسی بھی قیمت کے
ہم ہیں حیران اپنی حیرت کے

اس میں آخر عجب کی بات ہے کیا
تم نہیں تھے مری طبیعت کے

پوچھ مت بے شکایتی کا عذاب
کیا عجب عیش تھے شکایت کے

یہ جو آنسو ہیں رخصتی آنسو
یہ عطیے ہیں دل کی عادت کے

ہم ہی شیعوں کے مجتہد ہیں مغاں!
ہم ہی مفتی ہیں اہلسنت کے

ہم تو بس خون تھوکتے ہیں میاں
نہیں خوگر کسی مشقت کے

یہ جو لمحے وصال کے ہیں میاں
ہیں یہ لمحے تمام ہجرت کے

جون، یزدان و آدم و ابلیس
ہیں عجب معجزے حکایت کے



بزم سے جب نگار اٹھتا ہے
میرے دل سے غبار اٹھتا ہے

میں جو بیٹھا ہوں تو وہ خوش قامت
دیکھ لو! بار بار اٹھتا ہے

تیری صورت کو دیکھ کر مری جان
خود بخود دل میں پیارا اٹھتا ہے

اُس کی گل گشت سے روش بہ روش
رنگ ہی رنگ یار اٹھتا ہے

تیرے جاتے ہی اس خرابے سے
شورِ گریہ ہزار اٹھتا ہے

کون ہے جس کو جاں عزیز نہیں؟
لے ترا جاں نثار اٹھتا ہے

صف بہ صف اکھڑے ہوئے ہیں غزال
دشت سے خاکسار اٹھتا ہے

ہے یہ تیشہ کہ ایک شعلہ سا
برسرِ کوہسار اٹھتا ہے

کربِ تنہائی ہے وہ شے کہ خدا
آدمی کو پکار اٹھتا ہے

تُو نے پھر کسبِ زر کا ذکر کیا
کہیں ہم سے یہ بار اٹھتا ہے

لو وہ مجبورِ شہر صحرا سے
آج دیوانہ وار اٹھتا ہے

اپنے ہاں تو زمانے والوں کا
روز ہی اعتبار اٹھتا ہے

جوں اٹھتا ہے یوں کہو یعنی
میر و غالب کا یار اٹھتا ہے



تھی گزشت اُن کی عجیب ہی وہ جو جان سے تھے گزر گئے
ہے تمام شہر تھیری، جو تری گلی کے تھے، گھر گئے

شب و روز کا ہے معاملہ نہ کوئی صلہ نہ کوئی رِگلہ
وہ معاملہ دل و جاں کا تھا، کبھی جی اُٹھے، کبھی مر گئے

تمہیں اپنا حال سُنائیں کیا، تمہیں رمز کوئی بتائیں کیا
وہ چلا گیا تو چلا گیا، وہ جو آ گیا تو سنور گئے

نہیں مجھ میں اب کوئی دلبری کہ نفس نفس ہے ستم گری
مرے سارے رنگ اُتر گئے، مرے سارے خواب بکھر گئے



مت پوچھو کتنا غمگیں ہوں، گنگا جی اور جمنا جی
میں جو تھا اب میں وہ نہیں ہوں، گنگا جی اور جمنا جی

میں جو گولا بن کے بکھرا وقت کی پاگل آندھی میں
کیا میں تمہاری لہر نہیں ہوں، گنگا جی اور جمنا جی

یوں تو سمندر ہے دو قدم پر جا ڈوبوں، پر میں تو یہاں
ایک قدم بے سطح زمیں ہوں، گنگا جی اور جمنا جی

بان ندی کے پاس امر ہے میں جو لڑکا رہتا تھا
اب وہ کہاں ہے؟ میں تو وہیں ہوں، گنگا جی اور جمنا جی

کسی خواب کا ہو خیال کیا، کوئی خواب بھی نہیں درمیاں
کسی رنگ پر کریں کیا نظر، کہ مژہ تو خون میں بھر گئے

یہ کہن شباب نہیں ہے کیا، یہ سخن عذاب نہیں ہے کیا
وہی رہ گزار ہے بے قدم اسی رہ گزار میں سر گئے

وہ خیال کا تھا سماں کوئی، وہ گماں کا تھا گماں کوئی
تھی عجیب حالت حال دل، سوہم اپنے آپ سے ڈر گئے

مجھے چھوڑ کر جو چلے گئے، سر راہِ زردِ حلالِ جاں
وہ تمام لوگ کہاں کے تھے، وہ تمام لوگ کدھر گئے

کبھی جشنِ غم بھی منائیں ہم، کریں رقص اور کبھی گائیں ہم
وہ تمہارے شام و سحر گئے، وہ ہمارے شام و سحر گئے

نہ دیر و زود نہ بُود و بُود کا آشوب
یہ شامِ ہرزہ خرامی ہے کیا بلا آشوب

مُراد مند حضوری میں سینہ کو بے یہ کیا؟
وہی جنونِ دل آشوب، دلربا آشوب

یہ کوئی مومعہ دارانِ شہر سے کہہ دو
ہے آج مست وہ آہوے صوفیا آشوب

صفا کو جس کی صبا سے ضرر، نگہ سے زیاں
عجب وہ قامتِ کافر ہے مدعا آشوب

وہ یارِ خلوتِ جاں ہے وفا طلب ہر آن
جمالِ راہگزر ہے کہ ہے وفا آشوب

مزاجِ شام ہے بیعت طلب مدینے سے
ہوا ہے تازہ پھر اسلام کربلا آشوب

خوشا کہ ہے صنم سُرخ مستِ جلوہ گری
وہی صنم کہ ہے یارانِ من خدا آشوب

○
مسندِ غم پہ بچ رہا ہوں میں
اپنا سینہ گھر بچ رہا ہوں میں

اے سگانِ گرسنہِ ایام
جوں غذا تم کو بچ رہا ہوں میں

اندرونِ حصارِ موشی
شور کی طرح مچ رہا ہوں میں

وقت کا خونِ رایگاں ہوں مگر
خشک لہجوں میں رنج رہا ہوں میں

خون میں ترتر رہا مرا نام
ہر زمانے کا سچ رہا ہوں میں

حال یہ ہے کہ اپنی حالت پر
غور کرنے سے بچ رہا ہوں میں



لطفِ دیدارِ آخری بھی سہی
آخری بار یہ خوشی بھی سہی

ہے بدن سوزِ بادِ نیمِ شمی
ایسے عالم میں چاندنی بھی سہی

کربِ معمول کے مطابق ہے
خواہشِ طولِ زندگی بھی سہی

ازرہِ دلِ دہی مرے غم میں
مجھ سے دعوائے ہمسری بھی سہی

کتنا گہرا تھا ربطِ شوق کبھی
اب یہی ربطِ سرسری بھی سہی

کسی عنوانِ وقتِ گزرے تو
وقتِ گزرے تو جانکنی بھی سہی



جب نسیمِ سحری آتی ہے
ہم کو یادِ ایک گلی آتی ہے

زہرا چھا ہے کہ اس کو پی کر
لذتِ تشنہ لبی آتی ہے

جاؤ بھی میں نے تمہیں دیکھ لیا!
تم سے بس دل شکنی آتی ہے

عشقِ آزاد کی آزادی میں
کامیابی سے کمی آتی ہے

ٲ

نشہ ماہ و سال ہے تاحال
شوق اُس کا کمال ہے تاحال

نکبتِ گل ادھر نہ آئیو تُو
جی ہمارا نڈھال ہے تاحال

میرا سینہ جھلا ہوا ہے مگر
شوقِ بحث و جدال ہے تاحال

اس عبث خانہ حوادث میں
ہر جواب اک سوال ہے تاحال

جانے کون بلاتا ہے مجھے
ایک آواز چلی آتی ہے

کیوں رہے زلف پر احسانِ نسیم
ہم سے جب شانہ کشی آتی ہے

آپ جو چارہ گری کرتے ہیں
آپ سے چارہ گری آتی ہے؟

میرے غصے کا اثر کیا ہو گا
مجھ کو غصے میں ہنسی آتی ہے

بُت گری کرتے رہے ہیں احباب
جون سے بُت شکنی آتی ہے

زندگی ہے لہولہان مگر
رنگ بے خدوخال ہے تاحال

ہے سوادِ ختن غزل میری
تو غزل کا غزال ہے تاحال

لالہ زویا، شکن شکن مویا
تجھ کو پانا محال ہے تاحال

کتنے چارہ گروں نے زحمت کی
پر وہی میرا حال ہے تاحال

بڑھ رہا ہوں زوال کی جانب
دل میں زخمِ کمال ہے تاحال

کب کا تاراج ہو چکا ہوں مگر
ذہن میں اک مثال ہے تاحال

زخمِ کاری کے باوجود مجھے
ہوسِ اندمال ہے تاحال

دامنِ آلودگی کے بعد بھی تو
آپ اپنی مثال ہے تاحال

ہے یہ صورت کہ اشتیاق اُس کا
بے اُمیدِ وصال ہے تاحال

تھا جو شکوہ سو ہے وہ تائیں دم
وہ جو تھا اک ملال ہے تاحال



اک زخم بھی یارانِ بسمل نہیں آنے کا
مقتل میں پڑے رہیے قاتل نہیں آنے کا

اب کوچ کرو یا روضہ صحرایہ سے کہ سنتے ہیں
صحرا میں اب آئندہ محمل نہیں آنے کا

واعظ کو خرابے میں اک دعوتِ حق دی تھی
میں جان رہا تھا وہ جاہل نہیں آنے کا

بنیادِ جہاں پہلے جو تھی وہی اب بھی ہے
یوں حشر تو یارانِ یک دل نہیں آنے کا

بیمار پڑوں تو پوچھیو مت
دل خوں بھی کروں تو پوچھیو مت

میں شدتِ غم سے حال اپنا
کہہ بھی نہ سکوں تو پوچھیو مت

ڈرے کہ مجھے جنوں نہ ہو جائے
ہو جائے جنوں تو پوچھیو مت

میں شدتِ غم سے عاجز آ کر
ہنسنے بھی لگوں تو پوچھیو مت

آتے ہی تمہارے پاس اگر میں
جانے بھی لگوں تو پوچھیو مت

بُت ہے کہ خدا ہے وہ مانا ہے نہ مانوں گا
اُس شوخ سے جب تک میں خود نہیں آنے کا

گردل کی یہ محفل ہے خُرچا بھی ہو پھر دل کا
باہر سے تو سامانِ محفل نہیں آنے کا



وہ نافِ پیالے سے سرمست کرے ورنہ
ہو کے میں کبھی اُس کا قائل نہیں آنے کا

وحشت کو سوانہ کیجیو اب
تم ذکرِ وفا نہ کیجیو اب

ملتے ہیں کہ شہر میں ہیں لیکن
ملنے کی دُعا نہ کیجیو اب

کیا شے ہے وفا کی استواری؟
اس بات کو واناہ کیجیو اب

بے لذتِ دید ہے نظارہ
تم مشقِ ادا نہ کیجیو اب

ہم سے نہ اٹھے گا بارِ ایثار
غم ہو تو ہنسنا نہ کیجیو اب

کہنے سے مری مراد یہ ہے
تم میرا کہا نہ کیجیو اب

ہے وصل سے جبر ہی تو منظور
اظہارِ رضا نہ کیجیو اب



مجھ کو بیگانہ کر گئے مرے دن
مجھ سے ہو کر گزر گئے مرے دن

اب نہ کوئی دن مرے گھر جائے گا
جانیے کس کے گھر گئے مرے دن

اب نہیں ہیں مرے کوئی دن رات
کہ مجھ ہی کو بسر گئے مرے دن

ساری راتیں گئیں مری بے حال
میرے دن! بے اثر گئے مرے دن

میرے مڑگاں کو رنگ کی تھی ہوس
خون میں تر بہ تر گئے مرے دن

خوشا اب انتظار ہے نہ اُمید
یارِ یاراں! سُدھر گئے مرے دن

اب میں بس رہ گیا ہوں راتوں کا
مر گئے جون! مر گئے مرے دن



لمحے لمحے کی نارسائی ہے
زندگی حالتِ جدائی ہے

مردِ میداں ہوں اپنی ذات کا میں
میں نے سب سے شکست کھائی ہے

اک عجب حال ہے کہ اب اس کو
یاد کرنا بھی بے وفائی ہے

اب یہ صورت ہے جانِ جاں کہ تجھے
بھولنے میں مری بھلائی ہے

خود کو بھولا ہوں، اُس کو بھولا ہوں
عمر بھر کی یہی کمائی ہے

میں ہنرمندِ رنگ ہوں میں نے
خون تھوکا ہے داد پائی ہے

جانے یہ تیرے وصل کے ہنگام
تیری فرقت کہاں سے آئی ہے



ناروا ہے سخن شکایت کا
وہ نہیں تھا مری طبیعت کا

دشت میں شہر ہو گئے آباد
اب زمانہ نہیں ہے وحشت کا

وقت ہے اور کوئی کام نہیں
بس مزہ لے رہا ہوں فرصت کا

میں اگر تذکرہ کروں تو کروں
کس کی زلفوں کا، کس کی قامت کا

آگئی درمیان روح کی بات
ذکر تھا جسم کی ضرورت کا

تھوک کر خون رنگ میں رہنا
میں ہنرمند ہوں اذیت کا

زندگی کی غزل تمام ہوئی
قافیہ رہ گیا محبت کا

مر گئے خواب سب کی آنکھوں کے
ہر طرف ہے گلہ حقیقت کا

اب مجھے دھیان ہی نہیں آتا
اپنے ہونے کا اپنی حالت کا

تجھ کو پا کر زیاں ہوا ہم کو
تو نہیں تھا ہماری قیمت کا

صبح سے شام تک مری دُنیا
ایک منظر ہے اُس کی رخصت کا

کیا بتاؤں کہ زندگی کیا تھی
خواب تھی جاگنے کی حالت کا

کہتے ہیں انتہائے عشق جسے
اُگ فقط کھیل ہے مروت کا



سلسلہ جنباں شام ہے کس کی، شکوہ کناں ہے کس کی شام
ہم تو گماں برباد ہی ٹھہرے، شامِ گماں ہے کس کی شام

اس میدانِ شکستِ جاں میں کون بچا زندہ جانے
کیا جانے اس شہرِ عبث میں کس کا زیاں ہے کس کی شام

آج کہاں کیسا موسم ہے جسم و جاں کی بستی میں
شبِ بنمِ جسم ہے کس کا، شعلہ بجاں ہے کس کی شام

شام کا شہرِ ناپُرساں ہے اور بازاروں کا آشوب
پریشِ جاں، تیرے قریے میں فرحتِ جاں ہے کس کی شام

گم ہوئی اپنی خوش گزرائی کوچہ، دلِ ناپُرساں میں
کوچہ، دلِ پرساں میں نہ جانے، خوش گزراں ہے کس کی شام



گہے وصال تھا جس سے تو گاہِ فرقت تھی
وہ کوئی شخص نہیں تھا، وہ ایک حالت تھی

وہ بات جس کا گلہ تک نہیں مجھے، پر ہے
کہ میری چاہ نہیں تھی، مری ضرورت تھی

وہ بیدلی کی ہوائیں چلیں کہ بھول گئے
کہ دل کے کون سے موسم کی کیا روایت تھی

نہ اعتبار نہ وعدہ، بس ایک رشتہ دید
میں اُس سے رُوٹھ گیا تھا، عجیب ہمت تھی

گمانِ شوقِ وہ محمل نظر نہیں آتا
کنارِ دشت وہی تو بس اک عمارت تھی

حسابِ عشق میں آتا بھی کس حسین کا نام
کہ ہر کسی میں کسی اور کی شباہت تھی



ہے اُس سے جنگ اب ایسی کہ سامنا نہ کریں
کبھی اُسی سے مکمل مانگنے کی عادت تھی

جانِ نگاہ و روحِ تمنا چلی گئی
اے نجدِ آرزو! مری لیلیٰ چلی گئی

رخصت ہوئی دیار سے اک نازشِ دیار
صحرا سے اک غزالہ صحرا چلی گئی

برباد ہو گئی مری دنیائے جستجو
دنیائے جستجو، مری دُنیا چلی گئی

زہرہ مرا ستارہ قسمتِ خراب ہے
ناہید! آج میری ثریا چلی گئی

فرہاد سن لیا! تری شیریں کہاں ہے آج
وامق! خبر بھی ہے تری عذرا چلی گئی

اس انجمن سے قص تماشا طلب نہ کر
جس انجمن کی انجمن آرا چلی گئی

کس سے کہوں کہ ایک سراپا وفا مجھے
تنہائیوں میں چھوڑ کے تنہا چلی گئی

نورِ جہان شعر نے سب کچھ بھلا دیا
زیب النساءِ نظمِ معلیٰ چلی گئی

مجھ کو ملامتوں کے جہنم میں چھوڑ کر
اک خلدِ عہد و جنتِ ایفا چلی گئی

اب انتظارِ عشرتِ فردا نہیں رہا
امیدِ گاہِ عشرتِ فردا چلی گئی

کیسے کہوں کہ وہ غمِ اُلفت فریب تھا
کیسے یقین کروں کہ زلیخا چلی گئی

اے بزمِ دخترانِ قبیلہ! یہ کیا ہوا؟
وہ جانِ دلبرانِ قبیلہ چلی گئی



ہم شہید خیال بے چارے
گئے رانوں کے درمیاں مارے

سخن آتا ہے اُس نفس لب پر
جب زباں بولتی ہو انگارے

صد ازل او صد ابد یاراں
ہم نے یونہی سے سانس پروارے

اپنے قاتل پہ رحم آتا ہے
ہم گئے اپنے ہاتھ سے مارے

جان کچھ جیت میں نہیں رکھا
کوئی ہارے تو کس لیے ہارے



لمحے کو بے وفا سمجھ لیجے
جاودانی ادا سمجھ لیجے

میری خاموشی مسلسل کو
اک مسلسل گلہ سمجھ لیجے

آپ سے میں نے جو کبھی نہ کہا
اُس کو میرا کہا سمجھ لیجے

جس گلی میں بھی آپ رہتے ہوں
واں مجھے جا بہ جا سمجھ لیجے



جو طے ہوئے تھے کبھی کیفِ بیخودی کے لیے
نغاں! کہ اب وہ مراحل ہیں آگہی کے لیے

ہوا تھا جس سے شعورِ شباب کا آغاز
ہے اب بھی میری محبت فقط اُسی کے لیے

اُتر چکی ہے مری روح میں کسی کی نگاہ
تڑپ رہی ہے مری زندگی کسی کے لیے

جنوںِ عشق نے اپنا لہو نچوڑا ہے
بہارِ حُسن کی خود کام دلکشی کے لیے

آپ آجائے قریب مرے
مجھ کو مجھ سے جدا سمجھ لیجے

جو نہ پہنچائے آپ تک مجھ کو
آپ اُسے واسطہ سمجھ لیجے

نہیں جب کوئی مدعا میرا
کوئی تو مدعا سمجھ لیجے

جو کبھی حالِ حال میں نہ چلے
اس کو بادِ صبا سمجھ لیجے

بو کہیں بھی نہ ہو کبھی بھی نہ ہو
آپ اُس کو خدا سمجھ لیجے

فضائے نو! سحرِ نو سنوارنے والے
تڑپ رہے ہیں اندھیروں میں روشنی کے لیے

حرم کو اُن کی جبینوں پہ ناز ہے کیا کیا
جو بُت شکن بھی بنے ہیں تو بُت گری کے لیے

حریمِ عیش و مسرت کے ناز پروردہ
ستم! کہ ہیں مری ناکام زندگی کے لیے



کوئے خواہش میں خم بہ خم ٹھیلوں
دَم نہ لوں اور دَم بہ دَم ٹھیلوں

فرصتِ یک نفس نہیں ورنہ
میں تو خود میں قدم قدم ٹھیلوں

دورِ مستی میں جامِ ٹھیرے تُو
میں جو ہوں میری جاں! میں جم ٹھیلوں

آرزو ہے کہ دشتِ وحشت میں
اے غزالہ! میں تیرا رَم ٹھیلوں

میں ہوں ایک ایسی راہ میں کہ جہاں
نہ چلوں اور بہت ہی کم ٹھہروں

ساری دُنیا کے غم ہیں غم میرے
میں بھی آخر کسی کا غم ٹھہروں

اک ہوس ہے کہ تیرے لب پر میں
اپنی ہی جان کی قسم ٹھہروں

صفیہ ذات پر رقم ہو حیات
تُو دوات اور میں قلم ٹھہروں



ہم نہ کرنے کے کام کرتے ہیں
اور عجب طرح کر گزرتے ہیں

مار ڈالیں اسے یہ ہے مقصود
سومیاں جی ہم اس پہ مرتے ہیں

میں ہوں اس شہر میں مقیم جہاں
اپنے ہونے سے لوگ ڈرتے ہیں

رنگ ہی کیا ترے سنورنے کا
ہم لہو تھوک کر سنورتے ہیں

اپنے گنگ و جن میں زہر تھا کیا؟
ہم سمندر کا دم جو بھرتے ہیں

ناؤ سمجھیں بھنور کو جون جو لوگ
بس وہی دُوب کر اُبھرتے ہیں



طعنوں کے وار اپنا اثر کر گئے ہیں کیا
اے بے لحاظ! زخمِ عبث بھر گئے ہیں کیا

اب شہرِ یار سے کوئی پُرسش نہ شور و شر
شورِ یدگانِ شہرِ سفر کر گئے ہیں کیا

اسرارِ جاں کا ذکر ہے بازارِ یوں میں عام
اہلِ حرمِ یہاں سے گھلے سر گئے ہیں کیا

ہنگامہ شہر میں جو پُا کر کے آئے تھے
گھر آ کے اس سے آپ ہی ہم ڈر گئے ہیں کیا

تُو آستیں چڑھائے چلا ہے جو سوئے غیر
جاں دادگانِ تنجِ ادا مر گئے ہیں کیا

کچھ بھی کیا ہو ہم نے، کہیں بھی گئے ہوں ہم
حد سے تمہاری یاد کی باہر گئے ہیں کیا



اے وصل! کچھ یہاں نہ ہوا، کچھ نہیں ہوا
اُس جسم کی میں جاں نہ ہوا، کچھ نہیں ہوا

تُو آج میرے گھر میں جو مہماں ہے، عید ہے
تُو گھر کا میزبان نہ ہوا، کچھ نہیں ہوا

کھولی تو ہے زبان مگر اس کی کیا بساط
میں زہر کی دکان نہ ہوا، کچھ نہیں ہوا

کیا ایک کاروبار تھا وہ ربطِ جسم و جاں
کوئی بھی رایگاں نہ ہوا، کچھ نہیں ہوا

کتنا جلا ہوا ہوں بس اب کیا بتاؤں میں
عالم دھواں دھواں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا

دیکھا تھا جب کہ پہلے پہل اُس نے آئینہ
اس وقت میں وہاں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا



شب زدگاں بہم دگر، گریہ و گفتگو کرو
قصہ سوزِ جاں کہو، پرشِ آرزو کرو

نخوتیانِ شہر بھی، طعنہ زناں ہیں دُوبدو
نخوتیانِ شہر پر، طعن بھی دُوبدو کرو

مست ہیں خوابِ عیش میں، عشرتیاںِ نوشِ خواب
جادہ بہ جادہ گلو بہ گلو، شہر میں ہاؤ ہو کرو

نشہ رنگ دُوسے تم، مست ہوا اپنے آپ میں
ہم کو بھی اپنا رنگ دو، ہم کو بھی مشکبو کرو

وہ اک جمال، جلوہ فشاں ہے زمیں زمیں
میں تا بہ آسماں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا

میں نے بس اک نگاہ میں طے کر لیا تجھے
تُو رنگِ بیکراں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا

گم ہو کے جان تُو مری آغوشِ ذات میں
بے نام و نشاں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا

ہر کوئی درمیان ہے اے ماجرا فروش!
میں اپنے درمیاں نہ ہوا کچھ نہیں ہوا

کیسا لحاظ کس کا پاس ہے یہ دیار ناشناس
جو بھی ہے روبرو کہو جو بھی ہے روبرو کرو

یہ ہے خرابہ نبوذ یعنی خرابہ وجود
زہر نفس نفس پیو نشہ سیو سیو کرو

⑤

خواب کی حالتوں کے ساتھ تیری حکایتوں میں ہیں
ہم بھی دیارِ اہل دل تیری روایتوں میں ہیں

وہ جو تھے رشتہ ہائے جاں ٹوٹ سکے بھلا کہاں
جان! وہ رشتہ ہائے جاں اب بھی شکایتوں میں ہیں

ایک غبار ہے کہ ہے دائرہ وار پرفشاں
قافلہ ہائے کہکشاں تنگ ہیں وحشتوں میں ہیں

وقت کی درمیانیاں کر گئیں جاں کنی کو جاں
وہ جو عداوتیں کہ تھیں آج محبتوں میں ہیں

ایزد و اہرمن تو ہیں لمحہ بہ لمحہ کینہ جو
بود کی جیب میں ہے چاک یار کوئی رفو کرو

پھینک دے اے حسین عصر! پھینک دے تیغ اور سپر
وقت نماز عصر ہے خون سے تو وضو کرو

ڈھاؤ حرم کو بے تکان آگ لگاؤ دیر میں
جون یہ کام ہے ترا جون یہ کام تو کرو

پرتو رنگ ہے کہ ہے دید میں جانشین رنگ
رنگ کہاں ہیں رونا رنگ تک نکھوں میں ہیں

ہے یہ وجود کی نمود اپنی نفس نفس گریز
وقت کی ساری بستیاں اپنی ہزیمتوں میں ہیں

گرد کا سارا خانماں ہے سر دشت بے اماں
شہر ہیں وہ جو ہر طرح گرد کی خدمتوں میں ہیں

وہ دل و جان صورتیں جیسے کبھی نہ تھیں کہیں
ہم انھیں صورتوں کے ہیں ہم انھیں صورتوں میں ہیں

میں نہ سنوں گا ماجرا معرکہ ہائے شوق کا
خون گئے ہیں رایگاں رنگ ندامتوں میں ہیں



رُوٹھا تھا تجھ سے یعنی خود اپنی خوشی سے میں
پھر اس کے بعد جان نہ رُوٹھا کسی سے میں

بانہوں سے میری وہ ابھی رخصت نہیں ہوا
پرگم ہوں انتظار میں اس کے ابھی سے میں

دم بھر تری ہوس سے نہیں ہے مجھے قرار
ہلکان ہو گیا ہوں تری دلکشی سے میں

اس طور سے ہوا تھا جدا اپنی جان سے
جیسے بھلا سکوں گا اُسے آج ہی سے میں

اے طراح دارِ عشوہ طرازِ دیارِ ناز! *
رخصت ہوا ہوں تیرے لیے دل گلی سے میں

تُو ہے، حرمِ جلوہ ہے، ہنگامِ رنگ ہے
جاناں بہت اُداس ہوں، اپنی کمی سے میں

کچھ تو حساب چاہیے آئینے سے تجھے
لوں گا ترا حساب مری جاں تجھ ہی سے میں



قافلے کا نہ انتظار کرو
خود ہی اب قصدِ شہرِ یار کرو

ہے یہ شبنوں کا وقت اے یارو!
قصدِ ایوانِ شہرِ یار کرو

نہیں صحرا میں آج کوئی غزال
گنگناؤ، غزلِ شکار کرو

شعنہ وقت کی ہدایت ہے
مسلکِ جبر اختیار کرو

دیر و کعبہ کا بڑھ رہا ہے وقار
دیر و کعبہ کو بے وقار کرو

شیر افکن کی تعزیت کے لیے
تاجداروں پہ کوئی وار کرو

کسی شیریں کو انتقاماً آج
چل کر آزدہ فشار کرو

کوہکن کے مزار پر چل کر
نصب اک سنگ یادگار کرو



ہم محبت میں نجل بھی رہے، نازاں بھی رہے
اُن کی حسرت بھی رہی اُن سے گریزاں بھی رہے

عمر بھر ماتم حالات سے فرصت نہ ملی
عمر بھر مطرب خلوت گہ خواباں بھی رہے

پیشِ اغیار رکھی وضعِ تکبر قائم
اور احباب کے شرمندہ احساں بھی رہے

شہرِ ساقی میں رہا دلق فروشی پر مدار
اور اُسی شہر میں سر حلقہ رنداں بھی رہے

ہم کہ انکارِ عقیدہ ہے ہمارا شیوہ
ہم ہی خود معتقدِ چشمِ غزالاں بھی رہے

ہر طرح ہم نے ترے دل کو دکھایا اے شخص
ہر نفس اپنی شقاوت پہ پشیمیاں بھی رہے

مدتوں اُن کے تصور میں گزاریں راتیں
مدتوں اُن کی توجہ سے گریزاں بھی رہے

عرشہ منبرِ واعظ کو بھی زینت بخشی
مسند آرائے شہستانِ نگاراں بھی رہے



ہے طرفہ قیامت جو ہم دیکھتے ہیں
ترے رخ پہ آثارِ غم دیکھتے ہیں

غضب ہے نشیب و فرازِ زمانہ
نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

تمنا ہے اب ہم کو بے حرمتی کی
سبھی کو یہاں محترم دیکھتے ہیں

چلو بے کمند و کماں آج چل کر
غزالوں کا اندازِ رم دیکھتے ہیں



بلا کے وار ہوں یاران سر ہی جاتے ہیں
میاں یہ زخم ہیں آخر کو بھر ہی جاتے ہیں

ہے بات یہ کہ ترے التفات بے جا سے
جو ہوش رکھتے ہیں وہ لوگ ڈر ہی جاتے ہیں

جہاں نہیں تمہیں جانے کی تاب اور تو اں
تمام راستے جانی اُدھر ہی جاتے ہیں

جو لوگ کرتے ہیں جانے کی نوکری خود سے
وہ لوگ خود کو کہیں چھوڑ کر ہی جاتے ہیں

یہی تو محبت ہے یارو کہ اب وہ
ہماری طرف کم سے کم دیکھتے ہیں

خدایا ترے حُسنِ تقویم میں ہم
تضادِ وجود و عدم دیکھتے ہیں

نہ رُوٹھو جو لکھتے ہیں اوروں کو خط ہم
ذرا اپنا زورِ قلم دیکھتے ہیں

عجب کچھ ہے وہ سطرِ موئے بنفشی
جو روئے بیاضِ شکم دیکھتے ہیں

کھڑے ہو کہ ہم وقت کے حاشیے پر
فساداتِ دیر و حرم دیکھتے ہیں

نہ کارواں، نہ جرس اور نہ راہ اور منزل
جہاں بھی جاتے ہیں، ہم بے سفر ہی جاتے ہیں

تو کیا عدم میں رہے ہو جو تم کو حیرت ہے
میاں وجود کے نشے اُتر ہی جاتے ہیں

مجھے یہ بات بہت ہی اُداس کرتی ہے
بگڑنے والے بچارے سُدر ہی جاتے ہیں

ہیں خیمہ گاہِ شمالِ گماں کے ہم مطرب
جنوبِ شام میں ہم بے اثر ہی جاتے ہیں

ہم اس کو یاد دلاتے ہیں اس کی بے تابی
یہ وار ہے تو چلو وار کر ہی جاتے ہیں



باہر گوار دی، کبھی اندر بھی آئیں گے
ہم سے یہ پوچھنا، کبھی ہم گھر بھی آئیں گے

خود آہنیں نہیں ہو تو پوشش ہو آہنی
یوں شیشہ ہی رہو گے تو پتھر بھی آئیں گے

یہ دشتِ بے طرف ہے گمانوں کا موج خیز
اس میں سراب کیا کہ سمندر بھی آئیں گے

آشفگی کی فصل کا آغاز ہے ابھی
آشفگیاں پلٹ کے ابھی گھر بھی آئیں گے

دیکھیں تو چل کے یار، طلسماتِ سمتِ دل
مرنا بھی پڑ گیا تو چلو مر بھی آئیں گے

یہ شخص آج کچھ نہیں پر کل یہ دیکھو
اس کی طرف قدم ہی نہیں، سر بھی آئیں گے



رنگِ بادِ صبا میں بھرتا ہے
میرا اک زخمِ شام کرتا ہے

سب یہی مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تُو
کیوں سُدھارے نہیں سُدھرتا ہے

شاہراہوں سے روزِ شام و سحر
ایک انبوہ کیوں گزرتا ہے

آئیے! تیرے سامنے وہ شخص
اب بھلا کیوں نہیں سنوڑتا ہے

ایلیا جو کچھ نہیں کرتا
صرف خوشبو میں رنگ بھرتا ہے

شعلہٗ یا قوتِ فامِ زخمِ دل
میں ہوں کتنا تیرہ جاں، افسوس میں

یاد اُس لب کی عطش انگیز ہے
ہوں میں دوزخِ درمیاں، افسوس میں

بازوانِ مرمرینِ آرزو
وائے ہجرِ جاوداں، افسوس میں

سبزہ زارِ خوابِ لالہ فام میں
کس قدر ہوں میں تپاں، افسوس میں

پرتوِ سیمینِ مہتابِ گماں
گم ہوئی شمعِ گماں، افسوس میں

مجھ کو ہے درپیش اپنے سے فراق
میں کہاں اور میں کہاں، افسوس میں



ہوں میں یکسر رایگاں، افسوس میں
کیا کہوں میں بس میاں، افسوس میں

اب عبث کا کارواں ہے گرم سیر
میں ہوں میرِ کارواں، افسوس میں

کیسے پہنچوں آخر اپنے آپ تک
میں ہوں اپنے درمیاں، افسوس میں

آسمانِ لاجوردینِ فراق
اب کہاں وہ اور کہاں افسوس میں

دل میں نالہ توڑنا ہے جس کا فن
میں ہوں وہ آوازہ خواں، افسوس میں

میں ہوں گوشہ گیرِ گردِ صدِ ملال
اے غبارِ کارواں، افسوس میں

لحظہ لحظہ، لمحہ لمحہ، حال حال
میں ہوں از بگزشتگان، افسوس میں

میرے ہی دل پر لگا ہے جس کا تیر
ہے وہ میری ہی کماں، افسوس میں



سود ہے میرا زیاں، افسوس میں
جانِ جانِ جانانِ جان، افسوس میں

رایگانی میں نے سوچنی ہے تجھے
اے مری عمرِ رواں، افسوس میں

اے جہانِ بے گمان و صد گماں
میں ہوں اوروں کا گماں، افسوس میں

نا بہ ہنگامی ہے میری زندگی
میں ہوں ہر دم ناگہاں، افسوس میں

خود تو میں ہوں یک نفس کا ماجرا
میرا غم ہے جاوداں، افسوس میں

وہ پیالہ ناف کا ہے نشہ خیز
اور میں از تشنگاں، افسوس میں

ایک ہی تو باغِ حسرت ہے مرا
ہوں میں اس کی ہی خزاں، افسوس میں

ہر نفرِ حمالہ ہے یا بو لہب
یہ ہے میرا خاندان، افسوس میں

اے زمین و آسماں، افسوس تم
اے زمین و آسماں، افسوس میں

اے خداوندِ جہاں، افسوس تُو
اے خداوندِ جہاں، افسوس میں

زندگی ہے داستاں افسوس کی
میں ہوں میرِ داستاں، افسوس میں

اپنے برزن، اپنے ہی بازار میں
اپنے حق میں ہوں گراں، افسوس میں

گم ہوا اور بے نہایت گم ہوا
مجھ میں ہے میرا سماں، افسوس میں

میرے سینے میں چراغِ زندگی
میری آنکھوں میں دھواں، افسوس میں

مجھ کو جُز پرداز کچھ چارہ نہیں
ہوں میں اپنا آشیاں، افسوس میں

ہے وہ مجھ میں بے اماں، افسوس وہ
ہوں میں اُس میں بے اماں، افسوس میں



اُردو کُتب خانہ پی کے

urdukutabkhanapk.blogspot

○
چڑھ گیا سانس، جھک گئیں نظریں
رنگِ رخسار میں سمٹ آیا
ذکرِ سُن کر مری محبت کا
اتنے بیٹھے تھے، کون شرمایا ؟

○
تم زمانے سے لڑ نہیں سکتیں
خیر یہ راز آج گھول دیا
دو اجازت! کہ جا رہا ہوں میں
تم نے باتوں میں زہر گھول دیا

○
دُور نظروں سے خلوتِ دل میں
اس طرح آج اُن کی یاد آئی
ایک بستی کے پار شام کا وقت
جیسے بجتی ہو کوئی شہنائی

قطعات

تم ہو جاناں شباب و حُسن کی آگ
آگ کی طرح اپنی آنچ میں گم
پھر مرے بازوؤں پہ جھک آئیں
لو مجھے اب جلا ہی ڈالو تم

○
آپ کو تلخ نوائی کی ضرورت ہی نہیں
میں تو ہر وقت ہی مایوسِ کرم رہتا ہوں
آپ سے مجھ کو ہے اک نسبتِ احساسِ لطیف
لوگ کہتے ہیں، مگر میں تو نہیں کہتا ہوں

○

شرابی بھول جاتے ہیں سبھی کچھ
پھر اس پر خود سے اک بیگانگی بھی
تو کیا تم تھیں مرا سرمایہ جاں؟
تو کیا میں نے تمہیں پر جان دی تھی؟

○

ہیں بے طور یہ لوگ تمام
اُن کے سانچے میں نہ ڈھلو
میں بھی یہاں سے بھاگ چلوں
تم بھی یہاں سے بھاگ چلو



اُردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT